امیر خسرو



فن اور شخصیت

عرش ملسیانی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

امیرخسرو

عہد، فن اور شخصیت

عرشؔ ملسیانی

امیر خسرو

عہد، فن اور شخصیت

عرش ملسیانی

ناشر

مرکز تصنیف و تالیف نکودر

ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی

مکتبہ بیسویں صدی دریا گنج دہلی

قیمت : ——— دس رُوپے

مطبوعہ : جمال پرنٹنگ پریس دہلی

ترتیب

عظیم خسرو

ہندوستان کے فارسی شعراء کو اہلِ ایران نے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ان کی فارسی کا نام ہی جداگانہ رکھ دیا۔ یعنی "سبکِ ہندی" امیر خسرو ایسے خوش نصیب شاعر تھے کہ انہوں نے اپنا لوہا ہر دور میں اہلِ ایران سے منوایا۔ روایت ہے کہ جب بلبن کے بڑے بیٹے شہزادہ سلطان محمد نے سعدی کو ملتان آنے کی دعوت بھیجی تو سعدی نے پیرانہ سالی کا عذر کر کے انکار کر دیا۔ اور شہزادے کو لکھ دیا کہ خسرو جو تمہارے پاس ہے اسی کو غنیمت جانو۔ ناظم ہروی جامی کا ہمعصر تھا اس نے ایک دلچسپ قطعہ لکھا ہے۔

شنیدم کہ در دورگاہِ کہن — شدہ عنصری شاہِ صاحب سخن

چو اورنگ از عنصری شد تہی — بفردوسی آمد کلاہِ ہی

چو فردوسی، آورد سر در کفن — بہ خاقانی آمد بساطِ سخن

چو خاقانی از دارِ فانی گزشت — نظامی بہ ملکِ سخن شاہ گشت

نظامی چو جامِ اجل در کشید — سرِ چترِ دانش بہ سعدی رسید

چو اورنگِ سعدی فرد شد زکار — سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار

زخسرو چو نوبت بہ جامی رسید — ز جامی سخن را تمامی رسید

جامی نے خسرو کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ پنج گنج نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہیں دیا۔ اسے خسرو کا کلام اس قدر عزیز تھا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی مدح میں جو بے مثال قصیدہ خسرو نے دریائے ابرار کے عنوان سے لکھا ہے اس کے جواب میں جامی نے بھی قصیدہ کہا ہے۔ خسرو کے قصیدے کا پہلا مصرع یہ ہے ع

کوس شد خالی و بانگ غلغلس در دِ سراست

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خسرو کو خود اس کے زمانے سے اب تک اہلِ ایران نے عظیم شاعر کا مرتبہ دیا ہے۔ حال ہی میں خسرو کا دیوان تہران میں سعید نفیسی کی ترتیب سے چھپا ہے۔ گو یہ بیشتر وہی کلام ہے جو نول کشور پریس والے دیوان میں ہے۔

خسرو نے بہت کچھ لکھا۔ پانچ دیوان، دس مثنویاں گویا دو خمسے اور نثر میں اعجاز خسروی، خزائن الفتوح، افضل الفوائد، دیوانوں کے ساتھ دیباچے بھی ہیں۔ حیرت ہے کہ جو شخص سات بادشاہوں سے متعلق رہا ہو۔ ان کی دربار داری بھی کرتا رہا۔ باقاعدہ مصحف دار اور امیر بھی تھا، اسے کہاں سے اتنی فرصت ملی کہ ڈھائی سال میں نظامی کی پانچ مثنویوں کا جواب بھی لکھ دیا۔ چار لاکھ ابیات یا دو لاکھ شعر اس نے کہے یہ کسی فارسی شاعر کا حصہ نہیں نہ فردوسی کا نہ سنائی کا نہ صائب کا۔

محاربہ ہائے جنگ میں بادشاہوں کے ساتھ رہے عظیم تاجدار بھی دیکھے اور بدکردار بھی۔ کہاں علاؤ الدین خلجی کی وسیع سلطنت، اس کا

بے مثل معیشت کا نظام اور اس کا اونچا کردار کہاں اس کے جانشین قطب الدین خلجی معروف بہ مبارک شاہ کی بے راہ روی - بلکہ یوں کہیئے کہ بدکرداری اس کا دربار ایسا تھا کہ بھانڈ، ڈومنیاں اور مسخرے یہاں بے روک ٹوک آتے اور بڑے بڑے ملکوں اور خانوں سے بدکلامی کرتے نوید بھانڈ تو مادرزاد ننگا دربار میں آجاتا - شریف اور ثقہ درباریوں سے فحش گفتگو کرتا - یہ سب کچھ خسرو کی آنکھوں کے سامنے ہوا - اس پر بھی وہ مبارک شاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے -

شہا گنج بخشا کرم گسترا

اسی بادشاہ کے لئے ۶۵ برس کی عمر میں مثنوی نہ سپہر لکھی جو مثنویوں میں اپنی مثال آپ ہے - خاص کر تیسرا سپہر جو کشورِ ہند سے متعلق ہے جس میں ہندوستان کو جنتِ عدن کہا ہے اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ وہ میرا مولد و ماویٰ اور وطن ہے -

خسرو شریعت اور طریقت کے درمیانی راستے پر چلنے والے تھے تصوف ان کے رگ و ریشہ میں تھا - حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے فیضِ صحبت سے فیض یاب تھے - انہوں نے مثنویوں اور دواوین میں اکثر مقام پر اپنے پیر طریقت کی منقبت بادشاہوں کی مدح سے پہلے لکھی ہے - ابھی ابھی قصیدہ دریائے ابرار کا ذکر آچکا ہے - شبلی نے اسے بحرالابرار لکھا ہے - خسرو کو اس قصیدے پر بڑا ناز تھا - کہتے تھے کہ اگر میں کچھ اور نہ لکھتا تو میری مغفرت کے لیے یہی قصیدہ کافی تھا - انہوں نے اپنے

مرشد کو غوثِ عالم، نظامِ ملّت و دیں، قطب ہفت آسماں و ہفت زمیں رہبرِ پیش بیں، نائبِ مصطفےٰ وغیرہ ناموں سے یاد کیا ہے۔ ان کے تصوّف کی انتہا انہیں کے اس شعر میں ڈھونڈ دیکھیے۔

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام
عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

خسرو پر بعض لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے لئے نازیبا کلمات استعمال کئے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ خام ہے۔ خسرو کے نزدیک سیاسی مخالف کوئی بھی ہو، ہندو ہو یا مسلمان، منگول ہو یا تاتار، گردن زدنی ہے۔ جہاں غنیم بن کر کوئی سامنے آیا، اس کے لئے انہوں نے کوئی رعایت نہیں کی۔ ہندو راجاؤں نے جہاں جنگ لڑی ہے اور مخالف کی حیثیت سے لڑی ہے امیر خسرو نے انہیں قابلِ معافی قرار نہیں دیا۔ وہ دیوگیر کا راجہ ہو، وارنگل کا راجہ ہو یا کوئی اور ہندو صاحب اورنگ امیر خسرو کے پاس ان کے لئے رحم نہیں لیکن یوں وہ ہندوستان کے عاشق ہیں۔ یہاں کے رسم و رواج، تمدّن، مذہب، علم و ادب اور باشندوں کی تعریف کرتے ہیں۔

انہوں نے دلّی کی بہت تعریف کی ہے ؎

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد
جنّتِ عدن است کہ آباد باد

یہاں کی تعمیرات کی خوب تعریف کی ہے۔ جامع مسجد کو کعبہ سے ملا دیتے

ہیں۔ قطب مینار کو آسمان تک پہنچانے والی سیڑھی اور حوض کے پانی کو آبِ حیات کا آئینہ بتاتے ہیں۔ جب غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا قلعہ بنایا تو اس قلعے اور اس کے حوضوں کی بہت تعریف لکھی ہے۔ حوض کے پانی میں عکس نور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اندھا آدمی ریت کے ذرّوں کو شمار کر سکتا ہے۔ دلّی اور اودھ کے باشندوں کے متعلق لکھا ہے کہ بڑے خوش خلق اور مہمان نواز ہیں۔ اہلِ جنت کی مانند خوش دل اور خوش خو ہیں۔ صنعت، علم و ادب اور کرتبوں میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ہند کے موسموں کا بیان کرتے ہیں تو اسے دنیا بھر کے ملکوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے۔ خراسان کی طرح نہیں کہ ہر وقت زمین برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ جاڑا اور گرمی بڑی آب و تاب سے آتے ہیں بہار میں پھول ہنستے ہیں۔ جشن نوروز کا سماں بندھ جاتا ہے۔

مہر فلک گرم شد اندر وقاش
گرم ازاں گشتہ جہاں در ہواش

گرمی یہاں کا خاص موسم ہے۔ اس کی بھی تعریف کی ہے۔ برسات کے موسم میں آسمان پر بادلوں کا شامیانہ چھا جاتا ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نمودار ہو جاتا ہے اور اس کا مصداق ہوتا ہے کہ ع

برشگال بہارِ ہندوستاں است

باغوں میں پھل میووں سے لد جاتے ہیں۔ آبی جانور پانی میں تیرتے ہوئے خوشی مناتے ہیں۔ پانی، ہوا، فضا ہر جگہ جنگل میں منگل دکھائی

دیتا ہے۔ مور کو دیکھ کر تو بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتے ہیں کہ آخر یہ ملک جنت ہے کہ جہاں ایسا خوب صورت پرندہ پیدا ہوا۔ ترکستان اور اسلامی ممالک میں خرما اور انجیر بہت شیریں اور اعلیٰ درجے کے میوے ہیں۔ لیکن خسرؔو کہتے ہیں کہ آم کے مقابلے میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ؎

نغزکِ ما نغز کنِ بوستاں

مثنوی دول رانی خضر خاں میں پائیں باغ کے پھول گنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ گل لالہ کی ان کے آگے کیا حقیقت ہے۔ خراسان کے پھول خوشبو کے بغیر ہوتے ہیں۔ یہاں مولسری، چمپا، جوہی اور کیوڑے کا جواب نہیں۔ ان کی نگاہ کی وسعت کہاں تک بیان کریں۔ چرند پرند اور دوسرے جانوروں کا خوب خوب ذکر کیا ہے۔ بکری کے توازن کے کھیل، سدھے ہوئے بندر اور ہاتھی کے کھیل، کوئی چیز ان کی نظر سے اوجھل نہیں۔

رسوم کے باب میں تو ان کے مرشد بھی بڑے فراخ دل تھے ایک بار چھت پر کھڑے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو پوجا اور اشنان کرتے دیکھا۔ دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاء کی طرف مستفسرانہ نظر ڈالی۔ انہوں نے فرمایا ع

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

شیخ ذرا ترچھی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ خسرؔو نے برجستہ کہا ع

ما قبلہ راست کردیم برطرفِ کج کلاہے

خسرؔو ہندوؤں سے مذہب کے اختلاف کے باوجود ان کا ان باتوں پر اسلام سے اتفاق دیکھ کر ان کی تعریف کرتے تھے، یعنی وحدت، ہستی،

قدامت، عدم سے ایجاد کی قدرت، اور ذوق دینے والے کا وجود، ہندوؤں میں ایک مکروہ رسم ستی کی جاری تھی جس کے خلاف راجہ رام موہن رائے ایسے مصلحوں نے جہاد کر کے خلافِ قانون قرار دلوایا لیکن خسروؔ اس زمانے کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گرچہ در اسلام روا نیست چنیں
لیکن چو بس کارِ بزرگ ست ہمیں

یعنی وہی بات ع

سوختن بر شمع مردہ کارِ ہر پروانہ نیست

علاؤالدین خلجی کا فوجی انتظامیہ بڑا محکم تھا لیکن اس کی معیشت کی حس بھی بڑی تیز تھی۔ خسروؔ شاید اسی سے متاثر تھے۔ انہوں نے غیر ملکی تاجروں کے خلاف ایک عرضداشت لکھی تھی۔ خسروؔ لکھتے ہیں۔ "یہ لوگ شام و حبش مصر و مدائن سے بڑا سرمایہ حاصل کر کے یہاں آئے ہیں۔

"اکنوں سوئے دہلی کہ سوادِ اعظم است آمدہ تا ایں سواد را نیز باہمہ ہندوستاں بشویند و بروند"

مطلب یہ کہ ہندوستان کے دوسرے شہروں اور دہلی کو لوٹ کھسوٹ کر چل دیں گے۔"

امیر خسروؔ کا دماغ نہ جانے کس ڈھانچے سے بنا تھا۔ مادر زاد سپاہی، شاعر و انشا پرداز، مخلص اور علم دوست، فارسی، ترکی، عربی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت سے واقف، ہندوستان کی دوسری بولیوں سے بھی قدرے آشنا۔

من بزبانہائے کسے بہترے | کردہ ام از طبع شناساگزرے

ہندوستان میں زبانوں کی رنگارنگی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

ہست دریں عرصہ بہرناحیتے | مصطلحے خاصہ نہ از عاریتے
سندی و لاہوری و کشمیری کجر | دھور سمندری و تلنگی و گجر
معبری و گوری و بنگال و اود | دہلی و پیرامنش اندر ہمہ حد
ایں ہمہ ہندویست کہ از ایام کہن | عام بکاراست بہرگونہ سخن
لیک زبانیست دگر کز سخناں | آنست گزیں نزد ہمہ برہمناں
سنسکرت نام زعہد کہنش | عام ندارد خبر از کن مکنش

'ہندوی' کے باب میں لکھتے ہیں کہ

"از تیغ ہندی برّاں تراست"

سنسکرت کے ذکر کے ساتھ وید مقدس، پنج تنتر، حساب میں صفر کی ایجاد، اہل علم کا غیر ملکوں سے یہاں حصولِ علم کے لئے آنا۔ ابومعشر کا دس سال تک علم نجوم پڑھنا۔ الغرض ہندوؤں کی کس کس فضیلت کا ذکر نہیں کیا۔

انشاپردازی میں بھی ان کا کوئی جواب نہیں۔ انہوں نے دس اسلوب نگارش قائم کئے تھے۔ وہ اہل اسلوب الگ الگ یوں تھے، صوفیہ اور اولیاء، علماء متحققین کاتب، اور انشاپرداز، علماء اور فضلاء، مشائخ یا مدرسین، خطیب و واعظ، عام لوگ، مزدور اور کاریگر، ظریف بھانڈ اور مسخرے اور دسویں تو وہ خود یکہ و تنہا تھے

ہندی نظم بھی انہوں نے کہی اور اس کا اقرار غرۃ الکمال کے دیباچے میں

کیا ہے۔ موسیقی کے ماہر اور موجد تھے۔ یہ سب کچھ اس آدمی نے کس طرح کیا جو بادشاہ کا منصب دار بھی تھا۔ ملتان سے لکھنوتی تک کے سفر بھی کرتا رہا۔ دلّی سے اودھ اور اودھ سے دلّی۔ بادشاہ کے ساتھ محاربوں میں شامل رہا اور اس کے علاوہ شیخ نظام الدین اولیاء کے جماعت خانے کا حاضر باش مرید با اخلاص بھی تھا جو شیخ کے ملفوظات بھی لکھتا رہا۔ حالی نے جب کہا تھا کہ غالب سے پہلے دو ہی بڑے ہمہ جہت ادیب و شاعر ہوئے ہیں، خسرو اور فیضی، تو بات برحق تھی۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو خسرو کے سامنے کوئی نہیں ٹھہرتا۔

اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے میں نے مدد لی ہے انکی فہرست اگلے صفحہ پر ہے۔ لیکن پروفیسر وحید مرزا کی کتاب امیر خسرو اور شبلی کی شعر العجم نے میری بہت رہنمائی کی۔ اول الذکر کتاب کی بنیاد پر تو اس کتابچے کا ڈھانچہ تیار کیا گیا۔ ڈاکٹر تاراچند کا کتابچہ 'امیر خسرو اور ہندوستان' خلیق احمد نظامی کی کتاب اوراق معتوز نے بھی قدم قدم پر رہنمائی کی۔ ان تمام کتابوں سے اقتباس بھی میں نے لئے ہیں۔ اس کے لئے مرتبین کا شکرگزار ہوں۔ گو میں نے کوئی تحقیقی یا نیا کام نہیں کیا پھر بھی ؏ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

آخر میں خسرو کی ہندو دوستی پر ایک شعر درج کرتا ہوں ؎

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری ۔۔۔ ہم زوے آموز پرستش گری

عرش ملسیانی

دہلی۔ ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء

کتابیات

امیر خسرو — ڈاکٹر محمد وحید مرزا

شعر العجم — شبلی نعمانی

دیوانِ امیر خسرو — مطبوعہ نول کشور

خسرو کی دس مثنویاں

قران السعدین، مفتاح الفتوح، دول رانی خضر خاں، نہ سپہر، تغلق نامہ، مطلع الانوار، لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو، آئینۂ سکندری، ہشت بہشت۔

اعجاز خسروی (نثر) پانچ حصے

خزائن الفتوح یا تاریخِ علائی

دیوانِ امیر خسرو مطبوعہ تہران، مرتبہ سعید نفیسی۔

طوطیانِ ہند — نظام الدین گوریکر

INDIAN INHERITANCE

حصہ سوم (انگریزی) بھارتیہ ودیا بھون۔

اوراقِ مصور — خلیق احمد نظامی

پنجاب میں اردو — محمود شیرانی

خالق باری — محمود شیرانی

جواہر خسروی

چند بردائی (ہندی) — ماتا پرساد گپت

تاریخ مشائخ چشت — خلیق احمد نظامی

خسرو کی شاعری — شجاعت علی سندیلوی

کوتیا کومدی (ہندی) — رام نریش ترپاٹھی

آج کل — اگست ۱۹۵۶ء

مضمون، ڈاکٹر دعنیب حسین

دیباچہ غرۃ الکمال (خسرو)

امیر خسرو اور ان کا عہد

قطب الدین ایبک کے بعد شمس الدین التمش دلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں لاچین قبیلے کے ایک ترک سردار سیف الدین محمود ترکستان سے ہندوستان آئے۔ یہ شہر کش کے رہنے والے تھے اور چنگیز خانی قتل و غارت سے دل برداشتہ ہو کر ادھر کا عزم کیا۔ دوسرے معز الدین بن سام غوری کے جانشینوں کی سلطنت کا قیام ترک امیروں کو کشور کشائی اور حکومت کا نشہ ہندوستان کی طرف کھینچ رہا تھا۔ سیف الدین محمود بڑے جری سپہ گر تھے۔ حکومتِ وقت نے انہیں فوجی سردار بنا دیا۔ ان کی معاشی حالت اچھی تھی۔ وہ اتر پردیش کے ضلع ایٹہ میں گنگا کے کنارے پٹیالی نام کے قصبے میں متوطن ہو گئے۔ یہی قصبہ امیر خسرو کا مولد ہے۔ یہ ۱۲۵۴ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ سیف الدین محمود کی شادی عماد الملک راوت کی لڑکی سے ہوئی۔ وہ خالص ہندوستانی نسل کی تھیں۔ عماد الملک کے ٹھاٹھ کا کیا کہنا۔ یہ دس ہزار سواروں کی جمعیت کے سردار تھے اور بلبن کے عہد میں وزیر جنگ۔ التمش اور

ؐ تلعہ موسن اپور (دیباچہ غرۃ الکمال ص ۳)

بلبن کے درمیان پانچ بادشاہ ہوئے۔ لیکن قابلِ ذکر ان میں کوئی نہیں۔ بلبن نے سلطنت کو استحکام دیا۔

خسرو کا پیدائشی نام ابوالحسن یمین الدین تھا۔ خسرو تخلّص اور امیر اس وقت کہلانے لگے جب جلال الدین خلجی نے انہیں اپنا ندیم خاص اور مصحف داری کا امین بناکر امیر کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ابھی آٹھ برس کے تھے کہ باپ کا کسی محاربہ جنگ میں انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ بچّوں کو پٹیالی سے نانا کی نگرانی میں دلّی لے آئیں۔ عماد الملک نے خسرو کی تربیت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی لیکن انہیں تو مبداء فیاض سے شعر کی دولت مل چکی تھی۔ یہ ہر وقت شغلِ غالب میں مصروف رہنے لگے۔ عماد الملک کے پاس دو ہزار سے زیادہ غلام اور ایک ہزار سپاہی تھے۔ کہتے ہیں کہ پچاس ساٹھ غلاموں کا تو یہ کام تھا کہ وہ مہمانوں کو پان پیش کرتے رہیں۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ اس دور کے شاہی امراء شان و شکوہ میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے میں سرگرم اور پیش پیش رہتے تھے۔ اگر کسی خان یا ملک کو اس کی اطلاع مل جاتی کہ فلاں خان یا ملک کے خوانِ نعمت پر پانچ سو مہمانوں نے کھانا کھایا ہے تو وہ ایک ہزار مہمانوں کو کھانا کھلانے کی کوشش کرتا۔ اس کے ساتھ ہی اگر کسی کے مکان میں یہ بھنک پڑ جاتی کہ فلاں خان یا ملک نے دو سو تنکہ (سکّہ) خیرات میں دیا ہے تو وہ بھی بوقتِ سواری چار سو تنکہ خیرات کرتا۔ خسرو نے یہ باتیں بچشم خود دیکھی تھیں۔ آئینۂ سکندری میں اس نے نصیحت بہ فرزند کے عنوان سے لکھا ہے۔

"اپنے دل سے خود غرضی کا زنگ دور کر۔ ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ جو تیرے پاس ہے خیرات دینے کی کوشش کر۔ اپنی بخشش کا مینہ سب پر برسا۔ اُس بلی کا سا طرزِ عمل اختیار نہ کر کہ جب کوئی لقمہ ملا گوشے میں جا کر کھانے لگی۔ اپنے بچوں اور بیوی کے لئے تو جاہل گدھا بھی فراخ دل ہو سکتا ہے۔ جس آدمی کی مہربانی اپنے اعزہ تک محدود رہتی ہے وہ حقیقتاً خود غرض ہے۔"

خسرو بچپن ہی سے زیرک اور شعر کے معاملے میں زود گو تھے۔ ان کی آواز میں بلا کی تاثیر تھی۔ ایک واقعے کا ذکر صاحب شعر العجم نے بھی کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔ خواجہ عزیز الدین نے خسرو کا شعر میں امتحان لینے کے لئے ان سے کہا کہ ان چار چیزوں کو ملا کر شعر کہو۔ یہ چار بے جوڑ چیزیں تھیں۔ مو، بیضہ، تیر، خربوزہ۔ امیر نے برجستہ کہا۔

ہر موئے کہ در دو زلف آں صنم است
صد بیضۂ عنبریں بر آں موئے صنم است
چوں تیر بداں راس دلش زیرا کہ
چوں خربزہ دندانش درونِ شکم است

خواجہ عزیز الدین کو حیرت ہوئی۔ پوچھا کیا نام ہے۔ کہا خسرو۔ باپ کا نام پوچھا تو اپنے قبیلے کا نام بتا دیا یعنی لاچین۔ خواجہ نے کہا گویا چین نہیں۔ پھر کہا "ترک خطا ست" یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہے۔ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ "بے خطا ترک است" یعنی وہ قطعاً ترک ہے۔

عماد الملک کا ۱۲۷۱ عیسوی میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو تیرہ سال کی تھی۔ خسرو نے ان کا دل گداز مرثیہ لکھا۔ روایت یہی ہے کہ اسی سال وہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ عماد الملک کی موت کے بعد انہیں کسی بزرگ یا کم سے کم عمر میں اپنے سے بڑے شفیق یا محسن کی ضرورت بھی تھی اور یہاں تو دینی اور دنیوی دونوں ضرورتیں پوری ہو گئیں۔ اب خسرو کے سامنے معاش کی الجھن تھی۔ اس لئے انہوں نے خود کو ملک علاء الدین کشلو خاں عرف ملک چھجو سے وابستہ کر لیا۔ ملک چھجو اس زمانے میں شعر و شاعری کا بڑا سر پرست تھا۔ دو سال تک یہ اس کی مدح سرائی کرتے رہے۔ ملک چھجو کی مدح اس کے دربار میں اور شعرا بھی کرتے رہے لیکن خسرو ایسی رنگینئ کلام کسی مداح میں نہیں تھی۔

ناگاہ ایک محفل میں خسرو کے کلام اور اس کی شیریں گفتاری سے متاثر ہو کر بلبن کے لڑکے بغرا خاں نے اسے ایک طشت سکۂ زر سے نوازا۔ خسرو نے کشلو خاں کے علی الرغم اسے قبول کر لیا۔ بس یوں کہیے کہ "شامتِ اعمال ما صورتِ بغرا گرفت" ملک چھجو ایسا ناراض ہوا کہ اس نے خسرو کو پھر منہ نہیں لگایا۔ ملک چھجو نے جب اپنا دروازہ خسرو پر بند کر دیا تو خسرو کے پاس ایک ہی چارہ باقی رہ گیا تھا کہ وہ بغرا خاں سے منسلک ہو جائے۔ بغرا خاں اس وقت سامانہ میں حفاظت سرحد پر مامور تھا۔ منگولوں یا تاتاریوں کے حملوں کی مدافعت کے لئے سب سے بڑی چھاؤنی تو ملتان میں تھی۔ سامانہ کا نمبر اس کے بعد آتا تھا۔ بغرا خاں کی عنایات کا سلسلہ ابھی جاری ہوا تھا کہ طغرل نے بنگال میں بغاوت

کی ۔ اس کی سرکوبی کے لئے بلبن خود گیا اور اس نے طغرا خاں کو بھی حکم دیا کہ وہ اس مہم میں شامل ہو ۔ سامانہ کی گورنری کا آرام چھوڑ کر وہ میدانِ رزم کی طرف چل پڑا ۔ اس نے خسرو کو بھی ساتھ لیا اور خسرو کو ناچار یہ حکم ماننا ہی پڑا ۔ آخر وہ شاعر ہونے کے علاوہ سپاہی زادہ بھی تھا ۔ بلبن نے طغرل کا خاتمہ کر دیا اور بغرا خان کو بنگالے کا حاکم بنا دیا ۔ خسرو وہاں کیا ٹھہرتا اُلٹے پاؤں واپس دلّی آ گیا لیکن خوش وقتی سے بلبن کے بڑے بیٹے شہزادہ محمد سے اس کی ملاقات ہو گئی ۔

یہ شہزادہ ملتان کا گورنر تھا ۔ اس کے دربار میں علم و فضل کے بڑے چرچے رہتے تھے ۔ خسرو کی شاعری کا نقش اب تک اس کے دل پر بھی بیٹھ چکا تھا ۔ وہ خسرو کو ساتھ لے گیا ۔ خسرو نے یہ دن ملتان میں بڑی آسائش سے گزارے ۔ اس کی توقیر میں اضافہ ہوتا ہی رہا ۔ شہزادہ اس کی شاعری اور ذہانت کا عاشق ہو گیا ۔ وہ علم کا بڑا قدردان تھا ۔ کہتے ہیں کہ اس نے سعدی کو شیراز سے بلایا تھا ۔ تاکہ اس کے دربار کی عزت بڑھے لیکن سعدی پیرانہ سالی کا عذر کر کے رہ گئے ۔ اور لکھ دیا کہ تمہارے پاس خسرو موجود ہے اس کی ذات کو غنیمت جانو ملتان یوں بھی مرجع علماء و فضلا تھا ۔ بڑے کامل شیوخ یہاں آ کر اقامت گزیں ہو گئے تھے ۔ دلّی میں شیخ نظام الدین اولیاء کے دامنِ فیض سے سینکڑوں عقیدتمند وابستہ تھے تو ملتان میں خواجہ صدر الدین جو خواجہ بہاء الدین زکریا کے بیٹے تھے روحانی ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے تھے ۔ شہزادہ سلطان محمد ایسے عہدے پر تھا کہ اسے اکثر بڑے دشوار گزار مقامات کی مہموں پر جانا پڑتا تھا ۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ تالیفِ قلب کے لئے وہ خسرو کو اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ ایسے ہی کسی موقع پر دلّی کی یاد آئی تو اس کا نقشہ ڈاکٹر وحید مرزا مرحوم نے خود خسرو کے الفاظ میں یوں کھینچا ہے۔

"ایک زمانہ وہ تھا کہ میرا مسکن قبۂ اسلام تھا جو ہفت اقلیم کے بادشاہوں کا قبلہ ہے۔ یعنی وہ دہلی جو ہمیشہ آسمان ہے اور روئے زمین پر بہشت بریں کا ایک ٹکڑا ہے۔ نہ آسمان اس پر اپنا مبارک سایہ ڈالے ہوئے ہیں اور ہفت اقلیم اس کے دروازہ کا حلقہ ہیں۔ اس کے بلند قصر آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ اور سورج پر بھی سایہ ڈالتے ہیں اور اس کے بازار میں آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ مردم چشم کو بھی دیکھنے والے کی آنکھ میں جگہ نہیں ملتی۔ اس کے سرسبز میدان میں پھول کھل رہے ہیں اور اس کے چشمے چمکدار آنکھوں سے بھی زیادہ صاف اور روشن ہیں۔ جن کا بہتا ہوا پانی آبِ حیات کی طرح خوش گوار اور نبات سے بہتے ہوئے دودھ کی طرح شیریں ہے۔ حوضِ سلطانی ایسا روشن معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کو پگھلا کر پتھر میں ڈال دیا ہے۔ اس کے باغات میں تماشائیوں کا ہجوم جن میں سے ہر ایک لالہ رخسار حنا گوش کی وہ چمک دمک کہ کان کے موتیوں کی آب کو بھی ماند کرے۔ عود اور رباب کے نغمے جو اس کے باغوں میں بلند ہوتے ہیں ایسے شیریں کہ درخت مخمور ہو جائیں۔ اور

چشمے اونگھنے لگیں۔ وہاں میرے دن سیر اور تماشے میں اور راتیں ایک محبوب کی محبت میں بسر ہوتی ہیں۔ شاید اس گلستاں کے لئے میرا وجود ہوا تھا کہ تقدیر نے مجھے اس خارستان میں لاکر مقید کر دیا ہے۔ قلعہ کیا ہے ایک دہکتا ہوا تنور ہے وحشیوں اور جنگلیوں سے معمور جیسے کوئی ویرانہ ......"

اس کے بعد افغانوں کے باب میں ناپسندیدہ خیالات کا اظہار کیا ہے اصل میں دلّی کی محبت جاگ اٹھتی تھی تو وہ سختی کے وقت بلا تکلف چیخ اٹھتے تھے۔ اس سے پہلے بھی جب ابر بہاراں کے موسم میں خسرو بغرا خاں کے ساتھ بلبن کے بلاوے پر بنگالے اور لکھنوتی گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کے اشعار میں بھی دلّی کی جدائی شاق گزرنے کا ذکر کیا ہوگا۔

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل بہ چنیں وقت ز دلدار جدا
ابر باراں و من و یار ستادہ بہ وداع
من جدا گریہ کنم ابر جدا یار جدا

ملتان میں اور لوگوں کے علاوہ خواجہ حسن بھی خسرو کے ساتھ تھے۔

پورے پانچ سال امیر خسرو ملتان میں بڑے ٹھاٹھ سے رہے لیکن تاتاریوں کے ساتھ ایک محاربے میں سلطان محمد مارا گیا۔ تمام شیرازہ درہم برہم ہوگیا۔ دلّی میں اس خبر کے پہونچنے سے کہرام مچ گیا۔ بلبن بڑا سخت جان تھا اور سخت گیر بھی لیکن بڑھاپے میں ولی عہد سلطنت کی موت کا صدمہ کوئی کم صدمہ

نہیں تھا۔ امیر خسرو بھی روتے دھوتے دلی پہونچے۔ دربار میں جب انہوں نے شہزادے کی جواں مرگی اور اس کے خصائص مرثیے میں بیان کئے تو درباری زار زار رونے لگے۔ بادشاہ ضبط کر گیا لیکن تنہائی میں جا کر وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہمت بھی جاتی رہی۔ ایسا بیمار پڑا کہ پھر نہ اُٹھا۔ خسرو کے مرثیے کے چند شعر یہ ہیں۔

واقعہ است ایں یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید
راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ زا!
رخنۂ کامسال در ہندوستاں آمد پدید
مجلسِ یاراں پریشان شد چوں برگِ گل بباد
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید
بسکہ آبِ چشمِ خلقے شد رواں در چار سو
پنج آبے دیگر اندر مولتاں آمد پدید

اس موضوع سے متعلق ایک رباعی قابلِ ملاحظہ ہے۔

قومی کہ دران عرصۂ کیں می خسپند
فریاد کہ بہرِ چہ چنیں می خسپند
بر خاک نہادہ اند سرہا گوئی
در مادرِ خویش بر زمیں می خسپند

ملتان میں یوں تو خسرو کو ہر طرح کا آرام و آسایش میسر رہا لیکن دلّی

پھر بھی ان کے لیے دلّی تھی۔ پہلی مثنوی قران السعدین میں اس نے ایک باب خاص دلّی کی صفت کے لیے وقف کیا ہے۔

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد
جنتِ عدن است کہ آباد باد
از سہ حصارش دو جہاں یک مقام
در دو جہاں یک نقشِ دہ سلام
حصنِ برونیش و عالم بردن
عالمِ بیرونش بہ حصن اندرون
حصن درونیش تو گوئی مگر
چرخ بزیر است و حصارت سمت زبر
ملک ز دروازۂ او فتح یاب
سیزدہ دروازۂ وصد فتح یاب
نام بلندش رہِ بالا گرفت
تا بختن شد ہمہ یغما گرفت

اس کے بعد صفت جامع مسجد و صفت شکل منارہ کی بڑی تفصیل ہے حوض کی صفت میں لکھا ہے۔

در گہرِ سنگ میانِ دو کوہ — آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطانِ سکندر صفات — در سد کوہ آئینۂ زآبِ حیات

بلبن کے انتقال کے بعد امرا نے اس کے پوتے کیقباد کو بادشاہ

بنادیا۔ کیقباد کا باپ طغرا خاں بنگالے میں تھا وہ اس بات پر برافروختہ ہو کر باپ کے بیٹھے بیٹھے بیٹے کو تخت دے دیا گیا۔ چنانچہ ایک لشکرِ جرار لے کر دلی کی طرف کوچ کیا۔ ادھر خبر پہنچی تو کیقباد بھی اپنا لشکر لے کر باپ سے مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑا۔ کیقباد کی دلی سے لشکر کے ساتھ روانگی کا ذکر خسرو نے اسی انداز سے کیا ہے جس طرح شاہانِ سلفِ ایران کے عساکر کی یلغار کا ذکر فردوسی شاہ نامے میں کرتا ہے۔ بحر بھی وہی ہے۔ پڑھ کر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

روزِ دوشنبہ بگہِ چاشتگاہ
در مہِ ذی الحجہ بپایانِ ماہ
رایتِ منصور بہ بالا کشید
ماہ عَلَم مہر ثریا کشید
شاہ شد از خانۂ دولت سوار
خانۂ دولت شد از و بختیار
صف شکناں صف زدہ در پیش شاہ
انجمے ساختہ بر گردِ ماہ
پرچم بیرق کر بگردوں رسید
در رخِ مہ گرد محاسن پدید
ہیکلِ مغلات بزمین خم فگند
زلزلہ در عرصۂ عالم فگند

زان ہمہ دندان کہ بلا سنج بود
روئے زمین رقعۂ شطرنج بود
از حشم پیل دران پیل مال
حشر جہد ثابت و سیر جبال
جنبش اسپ از سم خارا شگاف
لرزہ در انگندہ زمین را بناف
از روش اسپ بگام فراخ
گاؤ زمیں را شدہ سر شاخ شاخ

غرض خسروؔ ایک سیلِ بے کراں کی طرح طرح بہے چلے جاتے ہیں۔ فصاحت ان کے قدم چومتی ہے اور بلاغت ان کے ہم کاب چلتی ہے۔ لشکر کے شکوہ، سپاہیوں کے زرہ، تیغ تیز، ترکش، تیر سب لوازم کا ذکر بڑے حسین پیرائے میں کیا ہے۔ خسروؔ کی قادرالکلامی میں شبہ نہیں۔ فن شعر کے علاوہ وہ دیگر بہت سے علوم و فنون کے ماہر تھے۔ چنانچہ نجوم سے متعلق اصطلاحیں تو ان کے کلام میں بار بار آتی ہیں۔ وہ موسموں کا بیان کرتے ہیں تو سورج کے مختلف بروج مثلاً ثور، جوزا، حمل وغیرہ میں منتقل ہونا بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ پارسیوں کی اصطلاحیں تک استعمال کر جاتے ہیں۔

"صفت فصل دے و سردی" (قران السعدین) میں لکھتے ہیں:۔

شاہ فلک چوں بگمان دست برد
تیر مہ اقلیم بہ سرما سپرد

پارسیوں کے نزدیک تیرمہ یا تیرہ مہ کی اصطلاح کے معنی ہیں۔ آفتاب کا برج سرطان و خریف میں آنا۔

صفت موسم گرما

خانہ چو خورشید بجوزا گرفت
رفت دراں خانہ درون جا گرفت
رفت دراں خانۂ تیرہ از مسیر
محترق از آتش خورشید تیر
ذکر باز آمدن شہ بدولت گہہ شہر
ہمچو برجیس بقوس و قمر اندر سر

جب کیقباد اپنے باپ طغرا خاں سے برد آزما ہونے کے لئے کوچ کر رہا تھا تو خان جہان حاتم خاں ایک علم پرور سردار جو خسرو کو بہت چاہتا تھا لشکر کے ساتھ تھا۔ خسرو اس زمانے میں اسی کی ملازمت میں تھے۔ چنانچہ جب باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی اور خون نے جوش مارا تو اس عظیم محاربے کی تیاریاں صلح و آشتی میں بدل گئیں۔ باپ بیٹے کو تاج دے کر اور نصیحت کر کے رخصت ہو گیا۔

کیقباد کے بادشاہ بننے پر ملک نظام الدین کاروبار سنبھالے ہوئے تھا۔ خسرو سے وہ صاف نہ تھا اس لئے خسرو نے شاہی ملازمت نہیں کی بلکہ امرائے شاہی میں سے ایک امیر خان جہان کی ملازمت کر لی۔ اسے حاتم خاں

بھی کہتے ہیں۔ خان جہاں کے باپ میں خسرو لکھتے ہیں:

خانِ جہاں حاتم مفلس نواز
گشت با قطاعِ اودھ سرفراز
من کہ بدم چاکرِ او پیش ازاں
کو دکرم آنچہ کہ بد بیش ازان
ناز چنان بخشش خاطر فریب
بندہ شدہ لازمۂ آن رکیب
در اودھ از بخشش او تا دو سال
ہیچ غم و نالہ نبود از مثال

دو برس تک اودھ میں رہے۔ ان کی والدہ ان سے از حد محبت کرتی تھیں اس نے اتنی طویل مفارقت برداشت وگوارا نہ کی اور انہیں دلی میں طلب کرلیا۔ چنانچہ وہ دلی آئے تو ماں نے گلے لگالیا اور آنکھوں سے محبت کے دریا بہا دیئے۔

مادرم آن خستۂ تیمارِ من
چون نظر افگند بہ دیدارِ من
پردہ ز روئے شفقت برگرفت
اشک فشاناں بہ برم در گرفت

خسرو نے خود لکھا ہے کہ حاتم خان کی مجھ پر اتنی عنایات تھیں اور اس نے اتنی داد و دہش سے مجھے نوازا کہ اگر میں حرفِ بیجا سے کام نہ

لیتا تو وہ دولت میرے بیٹوں، پوتوں کے لئے کافی تھی۔ جب کیقباد بلپ سے ملاقات کر کے دلی پہونچا تو خسرو امیر علی خاں کے ساتھ شہر اودھ ہی میں رہ گیا (اجودھیا) اسے لشکر کے بہت سے احباب کی مفارقت کا غم تھا۔ چنانچہ اپنے ایک خط میں جو اعجاز خسروی میں ہے یوں لکھتے ہیں۔

"اس آقا (امیر علی حاتم خاں) کے حکم کی تعمیل میں مجھے اپنے ان عزیزوں دوستوں کی صحبت سے علیحدہ ہونا پڑا جو شاہی لشکر کے ساتھ تھے اور ہندوستان کی سیاہی کی طرف واپس جانا پڑا (یعنی اقلیم زحل کی طرف۔ برسات کا موسم تھا اور مجھے ایسے وقت میں سفر کرنا پڑا جب بارش خوب زوروں پر تھی دوستوں کی جدائی سے میری آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے اور بادل میری ہمدردی میں گریاں تھے۔ میرے گھوڑے کا پاؤں پانی کے گڑھوں میں پھسل پھسل جاتا تھا اور بجلی میری پریشانی اور مصیبت پر ہنستی تھی۔ مینہ کی بوندیں ٹپک ٹپک کر میرے آنسوؤں کا پتہ دیتی تھیں اور بجلی کی چمک میرے سوز و گداز کو ظاہر کرتی تھیں۔ اس مصیبت سے آخر کار میں اودھ پہنچا۔"

خسرو اودھ میں بہ مجبوری رہے لیکن وہ اس سے زیادہ خوش نہیں تھے۔ اپنے ایک دوست تاج الدین زاہد کو انہوں نے ایک مفصل خط لکھا ہے۔ یہ خط بھی اعجاز خسروی میں موجود ہے۔ اس خط میں لکھتے ہیں:-

"جب تم سے میں یوں دور ہوا جیسے روشنی سایہ سے محروم تو میں نے سفر شروع کیا لیکن حال یہ تھا کہ آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ رہے تھے۔ دل میں درد تھا اور آنکھوں میں دید کا شوق۔ منزل سامنے تھی مگر میری آنکھیں پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ جوں جوں آگے بڑھا رنج بھی بڑھتا گیا۔ اور میرے قدموں سے زیادہ تیزی کے ساتھ آنسو میری آنکھوں سے رواں تھے۔ کوئی زادِ راہ نہ تھا بجز غم۔ اور دل میں کوئی یاد تھی تو تمہاری۔ ہر منزل سے آنسو بہاتا ہوا شاہی لشکر کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دو ماہ کے طویل سفر کے بعد جب بادشاہ اودھ پہنچے تو انہوں نے ہمارے خان کو اودھ کی حکومت عنایت کر دی۔ اودھ شہر تو خان کو تفویض ہوا اور مجھے ایک جاں گسل زہر نصیب۔ دل میں صبر نہ تھا مگر ٹھہرنے پر مجبور تھا یہ زمین دنیا کے لئے زینت ہے اور اس کے اطراف میں اسبابِ طرب جمع ہیں۔ دریائے سرو (سرجو) اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ جس کے دیکھنے ہی سے پیاسے کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ اودھ کا شہر بہت دل فریب ہے مگر تمہارے بغیر مجھے کچھ نہیں بھاتا۔ شہر کیا ہے ایک باغ ہے جہاں آدمی خوشی اور اطمینان سے بسر کرتا ہے۔ پھولوں اور شراب کی بہتات ہے۔ باغوں میں درختوں کی شاخیں بلبلوں

کے بوجھ سے جھکی جاتی ہیں۔ انگور کھٹے، انار، نارنگیاں اور بیسیوں قسم کے پھل جن کے نام ہندوستانی ہیں۔ میٹھے اور ذائقہ دار مثلاً کیلے اور آم، دماغ کو تراوٹ بخشتے ہیں۔ چمن میں سدابہار پھول کھل رہے ہیں اور پرندوں کے سریلے اور اُداس نغموں سے فضا گونج رہی ہے۔ مولسری، چمپا، اور جوہی سے چمن بھرپور ہیں۔ ان کے علاوہ کیوڑہ ہے۔ جس کے سیمین نیزے کے سامنے گلاب کا بھی خون بہتا ہے۔ پھر طرح طرح کی خوشبودار چیزیں اور گرم مسالے۔ عود و عنبر مشک کافور اور قرنفل بھی ہیں اور کپڑے ایسے کہ عمر گزشتہ کو واپس لے آئیں۔ تن کی زینت اور بدن کا فریب، مثلاً جھنجھری اور بہاری کہ موسم بہار کا ایک خوش نما تحفہ معلوم ہوتے ہیں اور بدن پر ایسے ہلکے معلوم ہوتے ہیں جیسے لالے پر چاندنی یا صبح کے وقت گلاب پر قطرۂ شبنم۔

یہاں کے باشندے سب کے سب مہمان نواز ہیں۔ خوش اخلاق، نیک مزاج، پسندیدہ طرز وفا شعار اور دریا دل ہیں۔ امیر غریب سب مطمئن اور خوش ہیں اور اپنے کاروبار میں مشغول۔ حاکم وہ ملک معظم اور خاقِ منصور بہ اختیار الدین حاتم خان علی بن ایبک ہے جو اپنے پیراہیوں کو مرحبہ تصیدوں کے صلے میں بیش قیمت موتیوں کے تحفے

عنایت کرتا ہے - مجھ پر تو وہ خاص طور پر مہربان اور کرم فرما ہے۔ اس طرح خوش کر کسی طرح کے ساز و سامان کی میرے لئے کمی نہیں اور نہ میں کسی چیز کا محتاج ہوں۔ لیکن تم سے جدائی نے مجھے لب گور لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ شراب کا جام کبھی پی کر خالی نہیں کرتا مگر اسے دوبارہ اپنے خون کے آنسوؤں سے بھرتا ہوں۔ تم یہ کیوں تصور کرتے ہو کہ میں جا ہمائے شراب میں مزے سے بیٹھا ہوں اور میرے چاروں طرف نغمہ و سرود کی خوش آمیز آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ تم میرے آنسوؤں کی شراب کو میری آنکھوں سے گرتے دیکھو اور میرے جلے ہوئے دل کا نالہ بھی سنو۔ میرا پیالہ شراب سے لبریز ہے لیکن مجھے یہ شراب ایسی تلخ معلوم ہوتی ہے جیسے زہر۔ یہ سچ ہے کہ پیڑ سے ٹوٹ کر گلاب کا پھول کچھ دیر تک گلدان میں زندہ رہ سکتا ہے مگر پھر جلد مرجھا بھی جاتا ہے۔"

(یہ اعجاز خسروی میں مندرجہ خط ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب امیر خسرو میں درج کیا ہے اور وہیں سے نقل کیا گیا ہے۔)

خط یہاں ختم نہیں ہوتا، آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"خان کی عنایتوں نے پردیس کو ایسا خوش گوار بنا دیا ہے کہ مجھے اپنا گھر بھول گیا۔ یہ دو سال کا عرصہ جو میں نے یہاں بسر کیا، مال و دولت کے لالچ کی وجہ سے نہیں مگر محض اپنے مہربان آقا کی دلجوئی کے خیال سے گزارا۔ میری ضعیف بیمار والدہ

دہلی میں تھیں اور مجھے بہت یاد کرتی رہتی تھیں۔ ان کے شب و
روز مجھ نالائق کی فکر میں بہت اضطراب اور بے چینی میں گزر رہے
تھے اور میری جدائی کے غم سے بے قرار ہو کر مجھے برابر واپس آنے
کے لئے لکھتی رہتی تھیں۔ میرا دل بھی ان کے غم میں بے چین رہتا
تھا۔ کچھ عرصہ میں اپنے غم کو کسی طرح غلط کرتا رہا لیکن جب تاب
ضبط نہ رہی تو میں نے اپنا ماجرا خان کے سامنے ایک عرض کی
شکل میں پیش کر دیا۔ خان نے اپنی مہربانی اور کرم کے مطابق
میری مجبوری کو دیکھا اور بخوشی مجھے گھر جانے کی اجازت دیدی۔
سفر خرچ کے لئے اُس نے مجھے دو کشتیاں سونے کے سکوں
کی بھری ہوئی عنایت کیں اور اس طرح اس کے احسان شکر گزاری
سے اپنے دل کو پر کر کے میں نے راہِ سفر اختیار کی۔ شوقِ دید
مجھے کشاں کشاں لئے جاتا تھا اور آنکھوں سے خوشی کے
آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے راستہ یوں طے کیا جیسے کوئی ہیکاں
تیز یا تیر پرّاں ہوں اور ایک مہینے تک کہیں قیام نہیں کیا۔
کیوں کہ سفر لمبا تھا اور اشتیاق شدید۔ یہاں تک کہ عید
کے چاند کی طرح خوش خوش ذی قعدہ کے مہینے میں دہلی پہونچا۔
کتاب کی طرح ہنس ہنس کر میں نے اپنی بھوکی نگاہیں عزیزوں
پر ڈالیں۔ دوستوں کی زیارت کا شوق پورا ہوا۔ اور دلی مقصد
پورا ہو گیا۔ گویا ایک پرند جس نے خزاں کی سختیاں جھیلی ہوں

ایک پر بہار چمن میں پہونچ جائے یا کوئی پیاسا آب حیات کے چشمے کو پالے۔ میرا دل جو رنج سے مردہ ہو چکا تھا، اپنے عزیزوں کو دیکھ کر دوبارہ زندہ ہو گیا اور ہزاروں ممنون محبت جذبات کے ساتھ میں نے اپنی آنکھیں مہربان ماں کے قدموں میں رکھ دیں۔ میری والدہ جن کو میری جدائی نے بیمار اور کمزور کر دیا تھا مہر و محبت کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور مجھے گلے لگا کے خوشی کے آنسو بہا دیئے۔ ان کا غم دیدہ لب خوش اور مطمئن ہو گیا اور جو جو منتیں انہوں نے مان رکھی تھیں سب پوری کیں۔"

اس طویل خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے کتنے گرویدہ تھے۔ دلی اور دلی کے ماحول کو کتنا پسند کرتے تھے۔ ماں سے انہیں کتنی عقیدت تھی اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اودھ کے شہر کی خوب صورتی وہاں کے رہنے والوں کے اوضاع و اطوار، باغ و چمن، پھل اور پھول کا ذکر کس خوبی سے کرتے ہیں۔ خربوزہ یا خرپزہ پر تو قران السعدین میں ایک حصہ نظم ہی کہہ ڈالا ہے۔

صفتِ خرپزہ کہ بر دلی آں جا موجود تیغ و طشتش لب ما بر آید غلطاں

خرپزہ گوئی کہ بہ صحرا و کشت گوئے ربود از ثمرات بہشت
سبز خطے در خط او موئے نہ مشک دمے مشک بدان بوئے نہ
ساختہ در آب کمانش کمین چاشنی و آب کمانش بہ بین

برسرِ ہر میوہ کلہ در شدہ ‌ ‌ ‌ بہر کلہ را ہمہ تن سر شدہ
از مزہ گرد آمدہ در روے نبات
خام خضر پختہ چو آبِ حیات

اسی طرح اودھ کی تفصیل میں ہندوستان کے پھولوں کا ذکر ہے اور مثنوی دیول رانی خضر خاں میں پائیں باغ کی تعریف کرتے ہوئے ان سب پھولوں کی الگ الگ تعریف کی ہے۔ ہندوستان کی محبت خسروؔ کے دل میں اس قدر جاگزیں تھی کہ انہیں جب موقع ملتا تھا اپنے مشاہدات کو منظوم شکل میں پیش کر دیتے تھے۔

ابھی دلی میں آئے خسروؔ کو دو ہی دن گزرے تھے کہ کیقباد نے طلب کیا۔ خسروؔ سے بادشاہ بڑی تعظیم سے پیش آیا اور ان سے یا صرار یہ کہا کہ باپ بیٹے کی اس تاریخی ملاقات کے وہ عینی شاہد ہیں۔ ان سے بہتر کون اس واقعے کو منظوم کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ از رہ انعام جتنا سونا مانگو گے دوں گا۔ شاہی دربار میں خسروؔ کی پہلی طلبی تھی۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ دربار سے منسلک ہو جائیں۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا ——
"گلستان ایک پھول سے رنگ و بو نہیں لیتا اور بادل ایک قطرہ سے پانی نہیں مانگتا۔" آپ تو بادشاہ ہیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ ہاں ٹوٹی پھوٹی فارسی میں جو ہو سکے گا کہہ دوں گا۔ چنانچہ اس طرح قران السعدین لکھی گئی۔ یہ خسروؔ کی پہلی مثنوی ہے۔

کیقباد اور بلبن کا ذکر تو ہوا لیکن التمش کے بعد اس کے جانشیں کون

تھے ان کا ذکر بھی مجملاً ضروری ہے۔ اصل میں خاندان غلامان کا اصل بانی التمش ہی ہے۔ قطب الدین ایبک تو سلطان معز الدین بن سام (شہاب الدین غوری) کا ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں میں نائب السلطنت تھا۔

"محمد غوری" (یہی نام معروف ہے) کے انتقال کے بعد وہ ہندوستانی مقبوضات پر قابض ہو کر بادشاہ بن گیا۔ وہ قابل فوجی سردار تھا لیکن التمش نے تو سلطنت کو بڑی وسعت دی اور استحکام بخشا۔ نظم و نسق میں بھی اس کا جواب نہیں تھا۔ چشتیہ سلسلے کے بزرگ بالخصوص خواجہ بختیار کاکیؒ اس کے عہد میں اپنے خانقاہی نظام کی تنظیم اعلیٰ پیمانے پر اور باحسن وجوہ کر رہے تھے۔

التمش نے دیکھا کہ اس کے لڑکوں میں تاج و تخت کا بار سنبھالنے کی صلاحیت نہیں۔ اس نے وصیت کی کہ اس کے بعد اس کی لڑکی رضیہ سلطانہ بیگم سربرآرا ہوں لیکن جیسا کہ امراء کا دستور ہوتا ہے انہوں نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے رکن الدین پسر التمش کو بادشاہ بنا دیا۔ وہ محض اپنی ماں ملکہ شاہ ترخان کے سہارے حکومت کرتا۔ ہمیشہ شراب میں غرق رہتا۔ اسی عالم میں ہاتھی پر سوار ہو کر بازار میں سیر و تماشا کی غرض سے نکلتا اور عالم سکر میں تنکوں کی بارش کرتا جاتا۔ ملکہ شاہ ترخان نے رضیہ بیگم کو راستے سے صاف کرنے کی کوشش کی۔ عوام کو علم ہوا تو بغاوت ہوئی اور رکن الدین مارا گیا۔

رضیہ بیگم بڑی قابل اور زیرک حکمراں تھی لیکن مخالف اس کے عورت ہونے کا فائدہ اٹھا کر اسے بدنام کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ ایک حبشی پر بڑی مہربان تھی جو رسالے کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس کا نام یاقوت تھا۔ دو ڈھائی

سال میں مخالفوں نے رضیہ کو بھی نہ چھوڑا۔ وہ ایک مہم میں گرفتار ہوگئی رکھتی۔ سرہند کے باغی گورنر کی سرکوبی کو گئی تو گرفتار ہوگئی۔ گورنر نے اس سے شادی کرلی اور دلّی کی طرف فاتحانہ انداز سے کوچ کیا۔ لیکن یہ دونوں ہی مارے گئے۔ ایک نہایت ذہین اور قابل خاتون کا یوں خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی بہرام شاہ تخت پر بیٹھا لیکن یہ حکومت بھی نہ چلی۔ ۱۰ مئی ۱۲۴۲ء کو بہرام کو پہلے تو زندانی بنایا گیا۔ پھر اس کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ گرگروہ نے شہزادہ علاء الدین مسعود کو بادشاہ بنایا۔ لیکن یہ کٹھ پتلی بھی دیر تک نہ ناچی اور اس کا بھی خاتمہ جلد ہوگیا۔

آخر عنانِ حکومت بلبن کے سپرد ہوئی جو ایک نظم و نسق کا ماہر بادشاہ ثابت ہوا۔ وہ بڑا منتظم نکلا۔ اس نے بہت سے دور دیکھے تھے۔ بصرہ سے اسے ایک سردار خرید کر لایا تھا۔ اس غلام کو التمش نے خرید لیا۔ یہ مختلف ادوار میں مختلف عہدوں پر مامور رہا۔ رضیہ بیگم کے زمانے میں یہ میر شکار تھا۔ اس نے بہرام کو تخت حاصل کرنے میں مدد دی تھی۔ اس نے اسے ریواڑی کی جاگیر عطا کی اور بعد میں اس میں ہانسی کا ضلع بھی شامل کر دیا۔ بلبن نے مختلف اطراف و جوانب میں لشکر کشی کی۔ باغی سرداروں کو دبایا اور التمش کی پھیلی ہوئی سلطنت دوبارہ قائم کی۔ اس کے عہد میں منگولوں اور تاتاریوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ بنگال میں طغرل خاں نے بغاوت کی۔ اس نے اس بغاوت کو خود جاکر دبایا۔ اور سامانہ کی چھاؤنی سے اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ اسے لکھنوتی میں حاکم بنگالہ بنا کر چھوڑ دیا۔ لیکن اسے جو ضرب کاری

لگی وہ اس کے بڑے بیٹے سلطان محمد کی موت تھی وہ ملتان کا حاکم تھا۔ اور تاتاریوں کی مدافعت پر مامور تھا۔ یہ شہزادہ اہلِ علم و فن کا قدردان تھا۔ اور ہزاروں خوبیوں کا مالک تھا۔ امیر خسروؔ اس کے پاس پانچ سال تک رہے۔ اور اس کی ادب نوازی سے فیض پاتے رہے۔ تاتاریوں کے حملے میں شہزادہ سلطان محمد دھوکے سے مارا گیا۔ جبھی سے لوگ اسے سلطان شہید کہنے لگے۔ بلبن یہ ضرب کاری سہہ نہ سکا اور بیمار ہو گیا۔ اسے اس ہونہار بیٹے کے جانے کا اتنا غم تھا کہ بیان نہیں کر سکتے۔ آخر وہ خود بھی ۱۲۸۶ء عیسوی میں غم میں گھل گھل کر مر گیا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کے بعد اس کا پوتا کیخسرو جو سلطان شہید کا بیٹا تھا، تختِ نشین ہو گا۔ لیکن نظام الدین نے جو وزیر اعظم تھا بغرا خاں کے سترہ سالہ بیٹے کیقباد کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس پر بغرا خاں ناراض ہوا۔ باپ بیٹے کا محاربۂ جنگ کے لئے ایک دوسرے کی طرف بڑھنا اور اودھ کے مقام پر دونوں کی ملاقات اور صفائی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ تاریخ کا یہی باب امیر خسروؔ کے اس کارنامہ کی تخلیق کا باعث ہوا۔ جس کا نام مثنوی قران السعدین ہے۔ خسروؔ نے یہ مثنوی لکھی تو شوق کو پر پرواز لگے۔ کیقباد بھی عیاش تھا جلد ہی اس کی موت بھی ہو گئی۔ اس نے کیخسروؔ کو ملتان سے بلا کر رہتک کے مقام پر مروا دیا تھا۔ پس خاندان غلامان کا خاتمہ ہو گیا۔

ایک نہایت تجربہ کار اور معمّر سردار خلجی جلال الدین پر سب کی نگاہ گئی۔ اور انہوں نے مل کر اسے دلی کا تخت پیش کیا۔

جلال الدین خلجی بڑا خوش ذوق بادشاہ تھا۔ وہ خسروؔ کو کیقباد کے عہد

میں بلکہ اس سے پہلے دیکھ چکا تھا۔ اس کی شاعری کا معترف اور ذہانت کا مدّاح تھا۔ اس نے خسرو کو طلب کرکے ندیم خاص بنایا۔ مصحف داری کی خدمت سپرد کی اور امیر کے لقب سے سرفراز کیا۔ اس کا ذکر شروع ہی میں آچکا ہے۔ جلال الدین فیروز خلجی خود بھی شاعر تھا۔ شعرالعجم میں اس کے دو شعر موجود ہیں۔

آں زلف پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفیدہ نمی خواہم
بے پیر منت خواہم یک شب بکنار آئی
ہاں بانگ بلند ست ایں پوشیدہ نمی خواہم

امیر نے جلال الدین خلجی کی تمام فتوحات کو منظوم کیا ہے۔ اس مثنوی کا نام مفتاح الفتوح ہے۔ جلال الدین خلجی سے پہلے چند ماہ کیومرث بادشاہ رہا۔ یہ کیقباد کا خورد سال بیٹا تھا۔ کیقباد مفلوج تھا۔ یکے بعد دیگرے دونوں کا خاتمہ ہو گیا یا کر دیا گیا۔ لیکن جلال الدین فطرتاً بڑا اچھا آدمی تھا۔ بلبن کا بھتیجا علاء الدین کشلو خاں عرف ملک چھجو ابھی زندہ تھا اور موردِ عتاب ہو سکتا تھا لیکن اسے دلی سے ذرا دور کڑہ مانک پور کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ بعد میں جب اس نے بغاوت کی اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے لگا تو اس کی سرکوبی کی گئی اور اس کی جگہ جلال الدین نے اپنے بھتیجے علاء الدین کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

جلال الدین خلجی سب پر مہربان تھا۔ بر سرِ دربار رونے لگتا تھا۔ معمّر

بادشاہ کو یوں گریہ وزاری کرتے دیکھ کر بڑی عمر کے درباری اس کی نیکی پر مائل ہو جاتے لیکن پرجوش نوجوان اسے بزدل اور آدابِ شاہی سے بیگانہ سمجھتے۔ جلال الدین نے تو اپنے دشمنوں تک کو بخش دیا۔

سری مولا ایک درویش بہت لوگوں کا پیر بن گیا تھا اس کی عزت بھی وہاں لوگوں میں بہت بڑھ گئی تھی۔ بادشاہ کا سب سے بڑا لڑکا خان خاناں اس کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے سازش بھی کی کہ بادشاہ جب جماعت کے ساتھ نماز میں شامل ہو تو اس کا کام تمام کر کے سری مولا کو تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن بروقت اس سازش کا پتہ چل گیا اور سازش کنندگان کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ایسے نازک وقت میں بھی بادشاہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ کوئی تو مجھے بچاؤ۔ حضرت شیخ ابوبکر طوس کے اشارے پر لوگوں نے بادشاہ کی جان بچائی۔

بادشاہ ادھر اپنی مہمات میں مصروف تھا ادھر علاءالدین نے دیوگیری پر چڑھائی کر دی۔ اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس شہر میں (دولت آباد) جواہرات اور زر و مال کی فراوانی ہے۔ چنانچہ دشمن کو سخت ہزیمت پر ہزیمت دیتا اور بے انتہا زر و مال لوٹ کر علاءالدین جب کڑہ واپس پہونچا تو جلال الدین اس کے استقبال اور اس کی پیٹھ ٹھونکنے وہاں آیا یا اس کی شامتِ اعمال یہاں لے آئی۔ علاءالدین نے اس کا کام تمام کر دیا اور یوں تختِ دہلی پر قبضہ کرنے کا سامان پیدا کر لیا۔ علاؤ الدین نے اکیس سال حکومت کی۔ وہ بڑا جابر اور سخت بادشاہ تھا۔ اس کی ہوس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ جب مغلوں کے حملے پسپا کر کے وہ سرحد سے مطمئن ہو گیا تو اس نے ہندوستان میں تریب قریب ہر

جگہ اپنی فتح کا جھنڈا بلند کیا۔ مغرب میں بنگال تک اور جنوب میں دکن تک۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ گجرات کو اس نے سر کیا۔ راجہ تو بھاگ گیا لیکن اس کی رانی کنول دیوی یا کملا دیوی شاہی لشکر کے ساتھ آئی۔ آخر کار بادشاہ کے حرم میں داخل کر لی گئی۔ راجہ اپنی لڑکی دول رانی یا دیول رانی کو ساتھ لے کر دیوگیر کے راجہ کی پناہ میں پہنچ گیا لیکن انجام کار جب ملک کافور نے دکن کو فتح کیا تو دول رانی اس کے ہاتھ آئی۔ بادشاہ کا فرزند اکبر خضر خاں اس پر عاشق ہو گیا۔ دونوں کی شادی کرا دی گئی۔ اس تمام معاشقے کی حکایت خضر خاں نے لکھ رکھی تھی۔ اسے امیر خسرو نے مثنوی کا جامہ پہنایا۔ چونکہ اس کا پس منظر ہندوستانی تہذیب و معاشرت اور ہندوستانی زندگی سے متعلق ہے اس لئے یہ مثنوی بڑی مقبول ہے۔

علاءالدین نے رنتھنبور اور چتوڑ کے قلعے بھی فتح کئے۔ ان قلعوں کو سر کرنا اس زمانے کے لحاظ سے بڑا بہادری فوجی کارنامہ تھا۔ چتوڑ کے محاصرے اور محاربے کے وقت امیر خسرو بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ اس نے اس لڑائی کا ذکر خزائن الفتوح میں کیا ہے۔ دراصل اب تک کسی مسلمان بادشاہ کو میواڑ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر تاریخ میں جو غیر مصدقہ واقعہ رانی پدمنی کا درج ہے کہ بادشاہ نے اسے آئینوں کے عکس در عکس کے ذریعے دیکھا پھر راناکو دھوکے سے گرفتار کر لیا۔ پدمنی سات سو ڈولیوں میں مسلح راجپوتوں کو لے کر راجہ سے ملنے گئی۔ راجپوت سپاہی ڈولیوں سے نکل کر علاءالدین کے لشکر پر اچانک حملہ کر کے راجا کو چھڑا کے لے گئے۔ اس کا خسرو

کے یہاں کوئی ذکر نہیں وہ تو عینی شاہد تھے - ان سب باتوں کے بیان کرنے میں علاءالدین کی اہانت بھی نہیں تھی کیونکہ آخر کار فتح اس کی ہوئی۔ چتوڑ خضر خاں کے سپرد ہوا اور اس کا نام خضر آباد رکھا گیا۔ بادشاہ نے خضر خاں کو دوورباش اور چتر لعل عطا کیا۔ رانا کی جاں بخشی کر دی گئی تھی۔

بادشاہ اور عوام ہندو لشکریوں سے ضرور خوش ہوں گے۔ جبھی تو مغلوں کے پسپا ہونے کے بعد امیر خسرو نے ایک قصیدہ اس طرح شروع کیا۔

اے لوائے فتح فیروزی بہ چار ارکان زدہ
بندگان ہندویت بر قلب ترکستان زدہ

ایک اور جگہ کہا ہے -

بہ ترکستان چناں ہندی نمودہ
کہ از ترکان بہ ہندی جاں ربودہ

فوجی مہموں سے فراغت حاصل کرکے علاءالدین سلطنت کے انتظام اور انصرام میں منہمک ہو گیا - اس نے سوچا کہ کثرت شراب اور افراط زر بدامنی کے دو بڑے وجوہ ہیں - چنانچہ اس نے خود شراب ترک کر دی اور ملک میں بھی اس کی عام ممانعت کر دی۔ گویا اس سے پہلے جو امرا اور دوسرے لوگ عیاشانہ اور بادشاہانہ زندگی بسر کرتے تھے اس کو قانوناً روک دیا گیا۔ شراب کے ذخیرے ضبط کر لئے گئے - منوں شراب بازاروں اور گلی کوچوں میں لنڈھا دی گئی - پاہا تھیوں کو پلا دی گئی - تاجروں اور سوداگروں کے پاس زیادہ روپیہ جمع ہونے کی روک تھام یوں کی گئی کہ سرکار کی طرف سے سب

چیزوں کے نرخ مقرر کر دیئے گئے۔ اور دہلی میں ایک بازار یا منڈی دار العدل کے نام سے بنائی جس میں چیزیں مقررہ نرخوں پر مل سکتی تھیں۔ ناجائز منافع کمانے والوں کے لئے سخت سزائیں مقرر تھیں۔ اس قسم کا ترقی پسندانہ معیشت کا نظام اس زمانے میں علاء الدین یا اس کے وزیروں کو سوجھنا بڑی حیرت کا مقام ہے۔ اس زمانے کے نرخوں کا شجرہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

تمام قافلوں پر منڈی کا سپرنٹنڈنٹ نگرانی رکھتا تھا اور انہیں اس بات کا عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ حکومت کے قانون سے انحراف نہیں کریں گے۔

اشیاء یا اجناس کے بھاؤ حسب ذیل تھے۔

گیہوں	ساڑھے سات جیتل	فی من
جو	چار جیتل	فی من
دھان	پانچ جیتل	فی من
ماش	پانچ جیتل	فی من
چنا، چنے کی دال	پانچ جیتل	فی من
چینی	ڈیڑھ جیتل	فی من
گڑ	آدھا جیتل	فی سیر
مکھن	ایک جیتل	فی سیر
سرسوں کا تیل	ایک جیتل	ڈھائی سیر
نمک	پانچ جیتل	ڈھائی من

جیتل چاندی کے ۷۵ گرین تنکے ۷ کے برابر تھا۔

من - ساڑھے اُنتیس پونڈ وزن کے برابر۔

سیر - موجودہ سیر کے برابر۔

جب ملک کافور دیوگیر پر حملہ کر کے وہاں سے لوٹا ہے اس وقت شہر کی کیفیت یہ تھی ——— ڈاکٹر وحید مرزا مرحوم اپنی معرکتہ الآراء تصنیف میں اس کی تفصیل یوں دی ہے۔

" جب شاہی فوج دیوگیر پہونچی تو ایک شہر نظر پڑا۔ جو نازکی اور لطافت میں قصرِ شداد سے بھی بازی لے گیا تھا اور بازار ایک باغ معلوم ہوتا تھا جہاں جوہری اور صرّاف چھوٹے بڑے اچھوُں (اس زمانے کا ایک سکّہ) اور سونے چاندی کے سکوں کے ڈھیر لئے بیٹھے تھے۔ ہر قسم کے کپڑوں کے جو ہندوستان میں بہار سے لے کر خراسان تک کہیں نہ مل سکتے تھے، دکانوں میں تھان کے تھان موجود تھے اور ایسے خوش رنگ کہ جیسے پہاڑوں پر گلِ لالہ یا چمن میں ریحان و نسرین۔ ہر قسم کے خوش ذائقہ اور لذیذ پھلوں کے تودے لگے ہوئے تھے اور سپاہیوں کے لئے ہر طرح کا سامان سُوتی، اُونی اور چمڑے کے کپڑے اور ہتھیار اور فولاد کی زرہیں تیار رکھی تھیں یہی وجہ تھی کہ دیوگیر میں کافور کو اپنی فوجوں کے لئے کافی ساز و سامان مل جاتا تھا۔

ادھر ہندوستان کے دُور دراز شہروں میں اتنی دولت اور سامانِ تعیش۔ ادھر بادشاہ کا دماغ جس کی معیشت کی حس بڑی تیز تھی اور مزاج نازک تھا۔

امیر خسروؔ پہلے بادشاہوں سے بہت کم مشاہرہ پاتے رہے۔ یعنی صرف ایک ہزار تنکہ۔ اس میں اضافے کی خواہش اور اس کا شاعرانہ اظہار ایک جگہ نہیں بہت جگہ کیا ہے لیکن بادشاہ کے پاس جتنے علماء اور شعراء تھے سب کم تنخواہ پاتے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اتنا موقع نصیب ہو کہ وہ اپنے فن میں محنت اور ریاضت کو چھوڑ دے یا خزانے پر ناجائز بوجھ بن جائے۔ اس کی سلطنت وسیع تھی اور اس کے لئے فوج اور دیگر مصارف بھی بہت زیادہ درکار تھے۔ بادشاہ صرف بیجا کرتا تو کام کیسے چلتا۔ خسروؔ نے کہا۔

"ایک قصیدہ لکھنے پر خاقانی کو فی بیت ایک ہزار دینار ملے۔ اور مرد مین معزی سونے کی کرسی پر بیٹھا کرتا تھا۔ جب فردوسی نے شاہ نامہ لکھا تو بادشاہ نے اسے ایک ہاتھی کے ہم وزن سونا دیا پھر بھی اس کے بخل کا افسانہ بن گیا۔ عنصریؔ کو بھی، سلطان محمود سے بے شمار انعام واکرام ملتا رہا یہاں تک کہ اس کے گھر کا سب سامان سونے کا تھا۔ اس تربیت کی وجہ سے جو بادشاہ شاعروں کی مدد کرتے تھے۔ انکی مدح میں ہمیشہ زندہ رہنے والے قصیدے لکھے گئے۔ اور ان کی سخاوت کی شہرت کو دوام حاصل ہو گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ لوگ کس زمانے میں تھے اور بادشاہوں نے ان کی کیسی تربیت کی۔ مگر کل جب ہم مٹ کر فنا ہو جائیں گے۔ تو ہمارے متعلق لوگ کیا بتا سکیں گے۔

اے بادشاہ! اس لئے شاعروں کو خیرات دینا بہت لازمی

ہے۔ اگر اس زمانے کے سحر آفریں شاعر بے مثل ہیں تو میں بھی اپنے
وقت میں ان سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔"

یہ بات ایک بار نہیں کئی بار ہوئی۔ خسرو کو اپنے مرتبے کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بہت بڑا شاعر، اور ادب و شعر کا خلاق ہے اس لئے اس نے بار بار سخن گسترانہ طور پر بادشاہ سے یہ شکوہ کیا کہ اسے اس کی لیاقت اور حیثیتِ طبع کے مطابق داد و دہش نہیں ملتی۔ ہمارے زمانے میں اس کی مثال غالب سے ملتی ہے۔ وہ بھی یہی کہتے رہے کہ ع

شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن

غالب کو اپنی جودتِ طبع کے باب میں اس قدر یقین تھا کلام کا اکا جو یہاں تک کہ جاتا تھا ۔

زرفتگاں بہ یکے گر توارد م رو داد
مداں کہ خوبیِ آرائشِ غزل است
مبر گمانِ توارد یقیں شناس کہ دزد
متاعِ من ز نہاں خانۂ ازل بُرد است

لیکن خسرو کے کلام میں یہ اشارے ملتے ہیں کہ علاؤالدین اس پر نظر کرم کرنے میں تجمل کرنے کے علاوہ اس بات کا خواہش مند بھی تھا کہ خسرو اس کی منصب داری میں حاضر بھی رہا کریں۔ کس خوش اسلوبی سے کنایتہً اس سے بچنے کے لئے علاؤالدین سے مخاطب ہوئے ہیں۔

"اگر میں جہاں پناہ کی خدمت کرنے کے لئے دن رات حاضر نہ رہ سکوں

اور حقیر خدمات بجا نہ لا سکوں تو کیا ہرج ہے۔ جب شکوہ تاجداروں کا سر آپ کی بارگاہِ ناز میں جھکتا ہے تو میرے جیسے ایک گدا کے سر نہ جھکانے سے کیا کمی ہو جائے گی۔"

اندازہ لگائیں یہ شاعر کا انا نہیں تو کیا ہے۔ ایک طرزِ بے پناہ کے سوا اور کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

اگر میں عرب یا روم میں پیدا ہوتا تو میری خاردار جھاڑیاں بھی موم کے درختوں کی طرح نرم و نازک معلوم ہوتیں۔ اور جو بھی میرے اشعار پڑھتا اُسے میری زیارت کا شوق ہوتا۔ اور وہ دل میں یہی کہتا کہ واللہ وہ ساحر کیسا ہوگا جس نے اتنی کاوش سے ایسی سحر آفریں شاعری کی ہے۔ مگر اب تو میرے پھولوں میں سے بھی سر کرہی نکلتا ہے۔ جس کا رنگ سیاہ اور ناگوار ہے۔ موتی قیمتی ہے اس لئے کہ ہر شخص کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ لیکن پانی جو کہ زندگی کا جوہر ہے، ارزاں ہے۔ اس لئے کہ اس کی اتنی فراوانی ہے۔

یہی حال غالب کا بھی تھا۔ کہتے ہیں ؎

گر شعر و سخن بہ دہر آئیں بودے
دیوانِ مرا شہرتِ پرویں بودے
غالبؔ اگر این فنِ سخن دیں بودے
آں دیں مرا ایزدی کتاب ایں بودے

علائی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

بھائی اس معرض میں میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں۔ اگرچہ یک فنہ ہوں۔ مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنے نظم و نثر کی داد بانداز ہ ر بابست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جود عادی میرے خالق نے مجھ میں بھردیے تھے بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے ......"

تمام عمر پنشن کا تصفیہ کرنے کے بیٹھے رہے۔ رئیسوں اور نوابوں کے سامنے دامن پھیلاتے رہے۔ خسرو کا یہ حال تو نہیں تھا لیکن وہ بھی مطمئن نہیں رہے۔ ملک چھجو، شہزادہ سلطان محمد شہید، بغرا خاں اور کیقباد، امیر علی حاتم خان، جلال الدین خلجی کے زمانے میں جو انعام و اکرام پاتے رہے علاء الدین کے زمانے میں نسبتاً بہت کم ملا۔ کیونکہ یہ بادشاہ مال و دولت لٹاتا نہیں تھا۔ قاعدے سے خرچ کرتا تھا۔ شعراء اور ادیبوں کی قدر کرتا تھا لیکن ایاز قدر خود بشناس کہہ کر آگے بڑھتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ اسراف بے جا سے میری مثال پیش کریں۔

خسرو کس مزے سے بادشاہ کا شانہ جھنجھوڑتا ہے:۔

ایک روز آپ نے مجھ پہ مہربان ہو کر فرمایا تھا کہ اے ہمارے عہد کے ثنا خوان خوش ہو کہ تجھے ہماری حکومت سے بلندی نصیب ہوئی اور تو ہمارا مقرب بنا۔ ہم تجھے اتنا مال و دولت دیں گے کہ تو ہر فکر اور اندیشے سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اس وعدہ سے یہ کمترین اب تک قانع رہا۔ لیکن اس بات کو چار سال گزر گئے۔ حضور کا اقبال سینکڑوں برس قائم رہے۔ اس خیال سے یہ یاد دہانی کرتا ہوں کہ

شاید آپ وہ وعدہ بھول گئے ہوں۔ اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ جیسا شخص جو وعدہ بھی کرے وہ پورا ضرور ہو گا۔ آپ کے لطف و کرم سے ہزاروں غلام مرتبے میں آسمان پر پہونچ گئے ہیں انہیں خوش قسمت غلاموں میں مجھے شامل کر دیجئے۔"

بغور دیکھئے کہ تقاضا بھی ہے، طنز بھی، انکسار بھی ہے اور حق بھی جتادیا ہے ایسی محتاط گزارش اس زمانے میں خسرو ہی کر سکتے تھے۔ جنہوں نے بادشاہوں کے جلوس نکلتے دیکھے، ان کو قتل ہوتے اور دفن ہوتے بھی دیکھا۔ حزم و احتیاط سے اپنا واسطہ سب سے اچھی طرح قائم رکھا۔ شاہان پیشین کی قدر دانی کا ذکر تو انہوں نے اکثر کیا ہے۔

بقول ان کے، پہلے بادشاہ شاعروں کی اتنی قدر کرتے تھے کہ، رودکی کو ہر عمدہ شعر پہ ایک من سونا مل گیا۔ رودکی کے پاس اطلس کے فرش جواہرات سے مرصع سازہائے نشاط اور جام ہائے شراب تھے۔ اور رومی اور حبشی غلام اسے سونے کی رکابیوں اور یاقوت کی قابوں میں کھانا کھلایا کرتے تھے۔

اس کے بعد علاء الدین سے یوں خطاب کرتے ہیں:۔

"میں نے اس کوچے میں اپنا گھوڑا اس لئے نہیں ڈالا کہ بادشاہ کی داد و دہش سے مجھے بھی حصہ ملے۔ میں ان لالچی آدمیوں میں سے نہیں ہوں جو حرص میں عزت بھی کھو بیٹھے۔۔۔۔"

یہاں اگر وہ خود کو قانع ثابت کرتے ہیں لیکن علاء الدین کی پوری مدتِ سلطنت

میں وہ برابر اس سے انعام واکرام کے طالب رہے - علاءالدین کا دورِ حکومت خسرو کے بھی کمال کا زمانہ تھا - اسی زمانے میں انھوں نے خمسۂ نظامی کا جواب پانچ مثنویاں لکھ کر دیا - ان کے قول کے مطابق ڈھائی تین سال میں یہ تینوں مثنویاں لکھی گئیں - مطلع الانوار، لیلی مجنوں، شیریں خسرو، آئینۂ سکندری اور ہشت بہشت - اس کے علاوہ ان کا مشہور دیوان غرۃ الکمال بھی اسی زمانے میں مرتب ہوا - تاریخ علائی یا خزائن الفتوح علاءالدین خلجی کی فتوحات کی تفصیل میں ہے - یہ کتاب اس عہد کا بہت اچھا تاریخی ماخذ ہے - چتوڑ کے محاصرے کے سلسلے میں رانی پدمنی سے متعلق جو فرضی کہانی زبان زدِ عوام ہو چکی ہے اور بعض مستند تاریخ دان بھی اس کے باب میں دھوکا کھا چکے ہیں - ان کے لئے خزائن الفتوح سے بڑھ کر کوئی اور سند نہیں ہو سکتی - خسرو اس مہم میں بادشاہ کے ساتھ تھے انہوں نے اپنی کتاب میں چار صفحہ نثر کے اس کے لئے وقف کئے ہیں لیکن اس قصّے کا کہیں ذکر نہیں - عشقیہ یعنی مثنوی دول رانی خضر خاں اسی دور میں تصنیف ہوئی - گو اس کی تکمیل علاؤالدین کے انتقال کے بعد ہوئی - خضر خاں کے مرنے پر دول رانی پر جو گزری وہ بیان کرنے کے لئے ۳۱۹ شعروں کا اضافہ ہوا - یہ مثنوی ۷۱۵ ھ میں تمام ہوئی - پنج گنج نظامی کے جواب میں خسرو کا خمسہ بہترین ہے - خسرو نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ نظامی صرف ایک ہی صنفِ سخن کا مالک تھا اس لئے مثنوی میں کوئی اس کی ہمسری نہیں کر سکا -

او بود بیک فنی نشانہ چوں یک فنہ بود شد یگانہ

اس کے علاوہ اُسے نہ معاش کی فکر تھی اور نہ غم روزگار سے وہ ہراساں و

پریشان تھا۔

وانکہ ز جہاں فراغ جستہ | وز شغل زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار | کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی | خاطر ز ہر التفات خالی
کنجی و دلی ز محنت آباد | آسودگیٔ تمام بنیاد

برملا بھی انہوں نے یہ کہا کہ میں تو ضرورت مند رہا اور معاش سے بے نیاز نہ ہوا اس کے اشعار بھی اسی جذبے کی غمازی کرتے ہیں۔ وہ آخر دم تک دربار شاہی سے کسی نہ کسی طرح منسلک رہے۔ کیقباد سے شروع کر کے محمد تغلق تک ان کا تعلق براہِ راست دربارِ شاہی سے تھا۔ اس سے پہلے امیروں اور شہزادوں کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ اس بات کا رونا بھی روتے رہے کہ ان کا جوہر کمال ضائع ہو رہا ہے لیکن وہ اس طرح کی زندگی کو ترک بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کے ذہن اور دل و دماغ کی آسودگی کے لئے حضرت نظام الدین اولیاء کا دستِ شفقت ان کے سر پر تھا۔ لیکن عجیب فطرت کے انسان تھے کہ دربار سے چھوٹے اور حضرتِ شیخ کے آستانے پر پہونچے۔ وہاں پہنچتے ہی شاہی لباس اتار دیتے۔ صرف لباس نہیں ذہن سے اس ماحول کو بھی خارج کر دیتے جو آدمی کو متکبر بنا دیتا ہے۔ آستانۂ محبوب الٰہی پر سجدہ گزار ہو کر دل کی تمام کدورتوں اور آلائشوں کو صاف کر لیتے۔ علاءالدین کا زمانہ فقراء اور شیوخ کے لئے اچھا زمانہ تھا۔ کاشتکار، دکان دار، تاجر سب کے لئے آسائش تھی۔ ہاں لوٹ مار کرنا جائز نہیں تھا۔ شیخ نصیر الدین نے اس زمانے

کے باب میں بعد میں لکھا ہے کہ وہ بڑی فراغت کے دن تھے۔ ہر فقیر کے پاس ایک طاف تھا۔ اور بعضوں کے پاس دو بھی تھے۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ علاؤالدین پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا۔ شاید ہی معمولی نوشت و خواند جانتا ہو۔ ہاں دنیوی علم اس کے پاس بہت تھا۔ انتظام وانصرام سلطنت میں اس نے وہ زیرکی دکھائی کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے نہیں دکھائی تھی۔ ہندوستان ہمیشہ مغلوں کے حملوں سے ڈرتا رہا۔ اس نے ان کے ساتھ چنگیز خانی سلوک کیا اور ان کی بری طرح سرکوبی کی۔ اس کی سلطنت کی سرحد پر امن رہا اور وہ محفوظ رہی۔ لیکن علاؤالدین نے اپنے عروج کے ساتھ ہی زوالِ سلطنت کے آثار دیکھ لئے تھے۔ کہاں تو ملک کافور کا چار بار دکن کی مہموں کو سر کرنا اور بے شمار زر و دولت، ہاتھی، گھوڑے جواہرات اور قیمتی سامان مالِ غنیمت کی صورت میں لا کر اپنے مالک کو خوش کرنا کہاں جب وہ بڑھاپے میں بیمار پڑا تو اُسے خضر خاں سے بھی بدظن کر دیا۔ خضر خاں اور اس کے بھائیوں کو گوالیار بھیج دیا۔ کہتے ہیں کہ علاؤالدین کو بھی اسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ ہزار حیلوں سے تخت پر خود جلوہ گر ہوگیا۔ لیکن کب تک ——— خضر خاں، شادی خاں اور فرید خاں کی آنکھیں نکلوا دیں۔ شہاب الدین عمر ایک نابالغ لڑکے کا سربراہ بن کر حکومت کرنے لگا۔ آخر نہ خود رہا نہ شہاب الدین۔ مبارک شاہ قطب الدین کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ نوجوان بادشاہ کے دل میں ملک گیری کا جوش تھا۔ دیوگیر کا رخ کیا اور فتح کے شادیانے بجاتا ہوا واپس آیا۔ واپس آکر پتہ چلا کہ

علاء الدین کا ایک عم زاد بھائی اسد الدین درپے سازش ہے۔ طیش میں آکر سب علائی اعزہ کو مروا ڈالا۔ خضر خاں اور اس کے بھائی بھی گئے۔ دیول رانی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ عیاش ہو گیا۔ دولت امارت شہنشہی سنبھالی نہ گئی۔ ایک محبوب ملازم خسرو خاں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا۔ دربار میں کسی کی عزت نہ تھی۔ دکن کی مہم کے بعد تو مبارک شاہ جیسے حواس کھو بیٹھا۔ خود کو خلیفۂ رب العالمین کہنے لگا۔ سمجھانے بجھانے سے ہٹ تو گیا۔ لیکن اس کے الّلے تلّلے نہ گئے۔ مذہب سے قطعی بے پروا ہو گیا۔ دربار بھانڈوں اور بازاری عورتوں کا اڈہ بن گیا۔ کبھی کبھی زنانے کپڑے پہن کر دربار میں چلا آتا۔ ہزار ستون کی چھت پر بھانڈ اور ڈرنیاں بڑے بڑے ملکوں کو بیہودہ مذاق کر دیتیں۔ نویذ نامی بھانڈ بعض اوقات دربار میں مادر زاد ننگا ہو کر آجاتا تھا اور بڑے بڑے درباریوں سے ناشائستہ گفتگو کرتا تھا۔

خضر خاں چونکہ حضرت نظام الدین کا مرید اور ارادت مند خاص تھا۔ مبارک شاہ شیخ سے بھی بدظن تھا۔ ان کی طرف سے اس کا دل صاف نہیں تھا۔ یوں بھی حضرت اس کی ایسی چھچھوری حرکتیں دیکھ کر ممکن ہے اسے روکتے ہوں۔ ایسے میں امیر خسرو کا یہ کمال تھا کہ وہ بادشاہ کا بھی مقرب خاص تھا۔ بادشاہ نے دکن سے واپسی پر یہ کہا تھا کہ جو میرے عہد سلطنت کے واقعات نظم کر دے میں اسے ہاتھی کے ہم وزن سونا دوں گا۔ خسرو اس خدمت پر مامور ہوئے اور انہوں نے مثنوی "نہ سپہر" لکھی۔ نو باب ہیں اور جدا گانہ بحروں میں۔ تیسرے سپہر میں ہندوستان کی عظمت بڑی تفصیل سے

بیان کی گئی ہے۔ یہاں کے مرد و زن، چرند و پرند، جانور، زبانیں، پھل پھول، علم و فضل الغرض ہر چیز کا بیان ہے۔ بادشاہ نے خسرو کو خوب انعام و اکرام سے نوازا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

شہا گنج بخشا کرم گسترا — معانی شناسا سخن داورا
چنیں بخششے کز تو من یافتم — در ایام پیشینہ کم یافتم
کنوں لامد از سحر سنج چو من — باندازۂ بخشش آمد سخن

اس کا صاف مطلب ہے کہ امیر خسرو کو اتنا صلہ ملا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ مبارک شاہ نے ایک نو مسلم کو خسرو خاں کا خطاب دے کر قلمدانِ وزارت عطا کیا تھا بلکہ سچ پوچھو تو اس کی محبوبیت پر اتنا اندھا تھا کہ بادشاہت ہی وہ کرتا تھا۔ خسرو خاں نے انجام کار محسن کشی کا مظاہرہ کر ہی دیا۔ مبارک شاہ کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ کر ہزار ستون کے صحن میں پھینک دیا۔ چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی۔ خلجیوں کا نشان تو خود مبارک شاہ نے نہیں چھوڑا تھا۔ کون آڑے آتا۔ بڑے بڑے امراء اور سرداروں سے ساز باز کر کے خسرو خاں خود بادشاہ بن گیا۔ لیکن یہ بادشاہت تین چار مہینے سے زیادہ نہ چلی اور "چار دن راجہ درپیش" والی بات ہوئی۔ خسرو خاں بھی اسی طرح مارا گیا جس طرح مبارک شاہ مارا گیا تھا۔ لیکن خسرو خاں نے بڑی جواں مردی سے میدانِ کارزار میں جان دی۔ پرانے سرداروں میں صرف ملک غیاث الدین تغلق ہی ایسا آدمی رہ گیا تھا جس کی سب عزت کرتے تھے۔ اس نے سب ملکوں کو خط لکھے اور دلی پر چڑھائی کر دی۔

خسرو خاں بڑی بہادری سے لڑا۔ ملک غازی کی فوج ہارتے ہارتے بچی۔ خود ملک غازی کی بہادری ہی بروئے کار آئی۔ خسرو خاں اور اس کا بھائی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اگلے ہی دن پکڑے گئے اور انجام ان کا وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ اسی مقام سے جہاں سے مبارک شاہ کا سر لڑھک کر نیچے گرا تھا، خسرو خاں کا سر بھی نیچے لٹک رہا تھا۔ ملک غیاث امیروں کے مشورے اور ان کی درخواست پر دلّی کے تخت پر بیٹھے۔ اور خاندان تغلق کی بنیاد پڑی۔ غیاث تغلق خسرو پر مہربان تھے۔ چنانچہ خسرو بدستور اپنے منصب پر قائم رہے۔ البتہ شیخ سے بادشاہ کو سوءِ ظن تھا۔ اوّل تو یہ کہ خسرو خاں کی دی ہوئی تمام فتوح بادشاہ نے ہر خانقاہ سے واپس لے لی۔ کیونکہ خزانہ خالی تھا اور شیخ نظام الدین اولیاء اسے واپس نہ کر سکے کیونکہ وہ اس قسم کی آمد کو رکھتے تو نہیں تھے مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بادشاہ نے سوچا کہ دانستہ میرے حکم کی سرتابی کی جا رہی ہے۔ دوسرے بعض حاسدِ شیوخ بادشاہ کے کان بھرتے تھے جس سے بادشاہ ان کی طرف سے خوش نہ تھا۔

بادشاہ نے قلعہ تغلق آباد تعمیر کیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ تعمیر ہوا تھا تو اس کے حوض، فوارے اور سیمیں دیواریں ایک عجیب حسن پیدا کرتی تھیں۔ بادشاہ دلّی سے ترہٹ کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ فتح پر فتح ہوتی گئی۔ اور جب یہ واپس آیا تو اسکے بیٹے جونا خاں نے جو بادشاہ کی غیر حاضری میں نائب تخت تھا دہلی کے قریب ہی ایک عارضی مکان بادشاہ کو ایک دن

روکنے کے لئے بنایا تاکہ استقبال کی شاہی تیاریاں مکمل ہو جائیں۔ ادھر حضرت نظام الدین اولیاء کو بادشاہ یہ کہہ گیا تھا کہ اس کی واپسی تک بہتر ہے کہ وہ دلّی چھوڑ دیں۔ چنانچہ جب وہ دلّی کے قریب آپہونچا تو حلقہ بگوش حضرات اور مریدین نے کہا کہ حضرت اب کیا ہوگا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا "ہنوز دلّی دور است" یہ اتفاق تھا کہ شیخ کی غیب دانی اور کرامت کہ بادشاہ جب اس عارضی مکان میں کھانا کھا رہا تھا تو چھت نیچے آرہی اور بادشاہ دب کر مرگیا۔ دلّی میں یہ خبر پہنچی تو لوگ انگشت بدنداں تھے کہ شیخ نے کس طرح جان لیا کہ غیاث تغلق کا انجام قریب ہے۔

بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ جوناخاں کی سازش تھی لیکن قرین قیاس نہیں۔ امیر خسرو کی آخری مثنوی تغلق نامہ اسی عہد میں تصنیف ہوئی۔ بہت مدت تک نایاب تھی لیکن نواب صدر یار جنگ مرحوم کے کتب خانۂ حبیب گنج سے ایک مخطوطہ بہ نام جہانگیر نامہ ملا۔ جو بعد تحقیق تغلق نامہ ثابت ہوا۔ اس کی تفصیل مثنویوں کے باب میں ہے۔ غیاث الدین تغلق کے بعد اس کا بیٹا جوناخاں ناصر الدین محمد تغلق تخت دہلی پر بیٹھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین علیل ہو کر صاحب فراش ہو گئے تھے ۹۵ برس کی طویل عمر پائی اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ امیر خسرو شاہی لشکر کے ساتھ ترہت کی طرف گئے ہوئے تھے۔ مرشد کے انتقال کے وقت وہ ان کا دیدار آخری بھی نہ کر سکے۔ جب دہلی آئے تو یہ الم ناک خبر سنی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے۔ منہ پر کالک مل لی اور ان کی قبر کی

زیارت کی - وہاں آپ نے یہ دوہا پڑھا

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

اس حادثے کے بعد خسرو بھی دیر تک زندہ نہ رہے - محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد ایک اور قصیدہ ان کی تعریف میں لکھا - شاعری کے سلسلے میں اُن پر یہ مصرع صادق آتا تھا ع

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

مرشد کے انتقال کے بعد پورے چھ مہینے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کر دی - اور حضرت نظام الدین کی پائنتی دفن ہوئے - اُس زمانے سے اب تک حضرت خواجہ کے عرس کے پورے چھ مہینے بعد امیر خسرو کا عرس بالالتزام منایا جاتا ہے - ۱۸۸۶ء میں حیدر آباد کے محی الدین خاں صاحب نے قبر کے گردا گرد ایک جالی دار کٹہرہ سنگِ مرمر کا بنوا دیا تھا - اس سے پہلے بھی مختلف شاہانِ مغلیہ نے قبر کی دیکھ بھال اور تعمیر کا کام کیا -

ان کی یادگار ایک فرزند تھے جن کا تاریخ میں کسی حیثیت سے کوئی نام نہیں - لڑکی کا نام نصیحت وغیرہ مثنوی میں ملتا ہے بیوی کے متعلق تاریخ کے صفحات بالکل خاموش ہیں اور اس زمانے کے رواج کے مطابق خسرو بھی مہر بہ لب ہیں -

قومی یکجہتی کا پہلا علم بردار

امیر خسرو بڑے نابغۂ روزگار تھے۔ لیکن انہیں روم و ری یا ایران و توران سے زیادہ ہندوستان سے محبت تھی۔ انہوں نے نظم و نثر فارسی میں اتنا لکھا ہے کہ کسی ایک شاعر یا ادیب کے بس کی بات نہیں۔ یہ سوال کہ انہوں نے ہندی میں لکھا یا نہیں اور لکھا تو کتنا لکھا بعد میں آئے گا۔ پہلے مجملاً ان کی ہندوستان دوستی اور ہندوستان کے باب میں ان کے عمیق مطالعے کا حال ان کی زبانی مثنوی نہ سپہر سے سنیئے۔ اس مثنوی میں انہوں نے نو باب قائم کئے ہیں اور یہ مبارک شاہ معروف بہ قطب الدین خلجی کے ایما پر لکھی گئی۔ اس مثنوی کی تکمیل پر بادشاہ نے خسرو کو ایک ہاتھی کے وزن کے برابر سونا انعام دیا تھا۔ مثنوی میں نو باب ہیں اسی لئے اس کا نام نہ سپہر رکھا ہے۔ سپہر اوّل ملک الاطاک ہے۔ سپہر سوم میں کشور ہند کے باب میں تفصیل سے لکھا ہے اور کہیں انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

اس میں ہندوستان کے متعلق بڑی دلچسپ معلومات درج ہیں یہاں کی آب و ہوا پھول چرند پرند مذاہب اور زبانوں کے باب میں تفصیلی معلومات ہیں۔ اور شاعر نے ہندوستان کی خراسان اور دیگر ممالک پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہندوستان سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار

بالواسطہ طور پر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی سوال بھی کیا ہے کہ ہندوستان سے اتنی عقیدت کیوں اور اس کی اتنی تعریف کیوں۔ تو خود ہی جواب بھی دیا ہے۔

ہست مرا مولد ماوا و وطن

خسرو نے ہندوستان کو بہشت عدن کہا ہے اور اس کے لئے دس حجتیں پیش کی ہیں اور متعدد شعبوں میں ہندوستان کی فوقیت کو ثابت کیا ہے اور اس ترتیب سے لکھا ہے۔

(۱) علم و فضیلت عام ہے۔

(۲) یہ لوگ دنیا کی تمام زبانیں بول سکتے ہیں۔

(۳) دنیا کے تمام گوشوں سے اہل علم و فضل یہاں درس لینے کے لئے آتے ہیں۔ ابو معشر جیسے منجم بنارس میں آکر علم نجوم حاصل کرتے رہے ہیں۔ وہ یہاں دس سال مقیم رہا۔

(۴) ہندسہ ہند سے مشتق ہے۔ یہ لوگ علم الحساب کے بڑے ماہر تھے اور ۔صفر۔ یہاں کی ایجاد ہے۔

(۵) عقل و بصیرت کا خزانہ کتاب کلیلہ و دمنہ یہیں تصنیف ہوئی اس کے بعد اس کے تراجم دنیا بھر میں ہوئے۔

(۶) شطرنج ایسا پیچیدہ کھیل یہاں کی ایجاد ہے۔

(۷) شطرنج اور کلیلہ و دمنہ نے ہندوستان کو چار دانگ عالم میں امتیاز بخشا ہے۔

(۸) ہندوستانی موسیقی بڑی پُر تاثیر ہے اور اس موسیقی کا جواب

کسی دوسرے ملک میں نہیں۔

(۹) موسیقی میں بڑی دلکشی اور جادو ہے۔ کئی بار ہرن کو موسیقی کے سحر سے پکڑا گیا ہے۔

(۱۰) کسی اور ملک میں خسرو جیسا عظیم شاعر بھی نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وہ لسانی تجزیہ کرتے ہیں اور عربی کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ فارسی اور ترکی کا ذکر اس کے بعد ہے۔ لیکن لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام زبان ہندوی ہے۔ البتہ غوری اور ترکوں کے آنے کے بعد یہاں فارسی کا رواج ہوا۔ پھر یہاں کی بولیوں کا ذکر آتا ہے اور ان کے نام تک گنواتے ہیں۔ سندھی، لاہوری، کشمیری، کنڑی، دھور سمندری، تلنگی، گجری، معبری، غوری بنگالی اور اودھی۔ اس کے علاوہ اس نے برہمنوں کی زبان سنسکرت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی میں ان کی کتب مقدسہ چار وید ہیں۔ ڈرامہ، داستان اور دوسرے اصناف سخن و ادب سب سنسکرت میں ہیں لیکن سب برہمن سنسکرت نہیں جانتے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ان زبانوں سے کہیں کہیں اور قدرے میرا واسطہ بھی رہا ہے دلی کے نواح کی بولی ہندوی ہے جس سے مراد ہندی ہے سنسکرت نہیں۔

ہندوستان کے جانوروں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ پرندوں کی باتیں ہیں توتے اور مور کی تعریف ہے۔ الغرض کیا نہیں۔ گھوڑوں کے باجے پہ چلنے، بکریوں کے توازن سے کھیل کرنے اور بندر اور ہاتھی کے تعجب خیز کارناموں کا ذکر ہے۔ زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو کو ہندی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ صوبائی بولیوں سے بھی دلچسپی رہی ہوگی۔ ان کے بارے میں جن لوگوں کو شبہ ہے کہ خسرو سے

منسوب ہندی کلام خسرو کا نہیں وہ غرۃ الکمال کے دیباچے کی یہ سطر ملاحظہ فرمائیں۔

"جزوی از نظم ہندی نیز نذر دوستاں کردہ ام"

اور نہ سپہر میں سنسکرت میں کشادگی کا یوں اعتراف کیا ہے۔

من قدرے بر سر این کار شدم

یہاں کے پرندوں اور جانوروں کی آوازوں کی بہت تعریف کی ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ میں ان کی مدح میں ورق کے ورق سیاہ کردوں۔ اور ہمیشہ ان پر کان لگائے رکھوں۔ لیکن ڈرتا ہوں کہ کافر نہ گردانا جاؤں۔ مور، توتا، شارک زاغ اور کنجشک تک کا ذکر ہے۔

طوطی ازیں جاست یکے جانوری
ہمچو دگر جانوراں نی لبشری
بیں سخنش بر صفت آدمیاں
ہرچہ شنید است بگوید بیاں
فاتحہ و اخلاص ودعا در دہنش
با من و تو ہمچو من و تو سخنش
مرغ دگر شارک ہندیست عجب
مرغ جہاں نی بہ عجم نی بہ عرب
ہشت ششم آنکہ ہم از ہند زمیں
خوبی طاؤس یکی نادرہ بیں

سپہر سوم کے شروع کے چند عنوان یہ ہیں۔

(۱) اثبات ملک ہند بہ حجت کہ جنت است حجت ہمہ بقاعدۂ عقلی استوار۔

(۲) ترجیح ملک ہند بعقل از ہوائے خوش بر روم و بر عراق و خراسان و قندھار۔

(۳) ترجیح اہل ہند بر اہل عجم ہمہ در زیرکی و دانش و دلہائے ہوشیار

(۴) اثبات گفت ہند بہ جہت کہ راجح است بر پارسی و ترکی از الفاظ خوشگوار۔

(۵) اثبات آنکہ جانور این دیار است حسی قریب عقل کش انسان کنی شمار۔

(۶) اثبات آنکہ ہم بزیانند مردہ را ہم زندہ جان دہند چوں پروانہ وار۔

(۷) گفتار در سیاست ہرپال دیوگیر کو کرد از راہ بندگی فرار۔

ہندوستاں کی عظمت صرف نہ سپہر ہی میں نہیں۔ مثنوی دول رانی وخضر خاں میں بھی ہے۔ خسرو کی دیوگیری پر مبارک شاہ کے حملے کا ذکر تاریخ وجغرافیہ تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کی نسبت بہت قیمتی معلومات تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہاں علاؤالدین کی فتوحات اور ہندوستان میں عروج اسلام کا ذکر کرنے کے بعد یہ ہندوستان کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ نہ سپہر کی طرح یہاں بھی زبان ہندوی کی ترجیح کا ذکر ہے مگر عربی سے اسے کمتر بتاتے ہیں۔

غلط کردم از دانش زدی دم
نہ لفظ ہندی است از پارسی کم
بجز تازی کہ میر ہر زبان ست
کہ بر جملہ زبانہا کامران ست
وگر غالب زبانہا در رے و روم
کم از ہندی است شد از اندیشہ معلوم
زبانِ ہند ہم تازی مثال است
کہ آمیزش در آنجا کم محال است

آخری شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش یا تو نہیں ہوئی تھی یا بہت کم تھی۔

اگر پرسی نیابش از معانی
دران نیز از دگر ہا کم ندانی
اگر از صدق و انصاف دہم شرح
حد ہندی کنی گفتار من جرح
ولے من کاندرین نقد لہیا
بیک قطرہ شدم نہان دریا
ز قطرہ در چشیدن گشت معلوم
کہ مرغ وادی است از دجلہ محروم
کسی کز گنگ ہندوستاں بود دور   ز نیل و دجلہ لا مدست معذور

ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے کی تعریف میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں بیش بہار یشمیں لباس دیوگیری کپڑے کا بنتا تھا۔

نکو دانند خوبانِ پری کیش
کہ لطفِ دیوگیری از کتان بیش
ز لطف آں جامہ گوئی آفتا بیست
و یا خود سایہ با ماہتا بیست

پان کے متعلق نُہ سپہر میں بھی لکھا ہے کہ

خراسانے کہ ہندی گیر وش گول
خسے باشد بر نز دش برگِ تنبول
شناسد آں کہ مرد زندگانی ست
کہ ذوق برق خالیٔ ذوق جانیست

آم اور انجیر کے سلسلے میں اشعار کا سلسلہ طویل ہے مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ہندوستان اور مور کی تعریف بھی ہے۔

دگو کس سوئے خود گردد جہت گیر
نہد کم نغزک مارا از انجیر
بہ از من خود دینار دبود صافؔ
کہ من حجت سرایم او ز ندلاف
بہشتے فرض کن ہندوستاں را
کز آنجا نسبت ست ایں بوستاں را

دگر نہ آدم و طاؤس نہ اینجا
کہ جا این جا شدند بے منزل آرا

محل کے بائیں باغ میں ہندوستانی پھولوں کی تعریف کی ہے۔

بیل اور جوہی —— ازیں سو بیل پیشانی کشادہ
بیک گل ہفت گل بر ہم نہادہ
وزاں سو دلربائے عاشقاں جائے
ہمہ تن مہر دلہا را شدہ جائے

کیوڑہ

بخوبی کیوڑہ چادر لحافش
سناں نقرہ و از مینا غلافش
صبا ہر گل کہ کردہ ہم عنانش
سپر افگندہ از نوک سنانش
زبویش حلۂ خوبان معطر
دو سالہ خشک بویش ہمچنان تر
بداں جامہ کہ از وے بر گرفتہ
دریدہ جامہ و بویش نہ رفتہ

رائے چمپا

مگر آں رائے چمپا شاہ گلہا
کہ بوئے مشکبار آمد چو گلہا

چوں معشوق سمن بر ناز پرورد
ولے رنگش چو روئے عاشقاں زرد

چو پیکان زرد بر دیدہ آسان
بہ پیکان صفِ گلہائے خراساں

بروغن پروردندش بہر سرہا
کہ سر از مشک تر گیرد اثرہا

مولسری

دگر ما دل سرے کش طرفہ نامے
برنگ طرفہ مروارید شامے

بہیت چست و برگش خرد باریک
بہر جیب و بہر دل نیک و نزدیک

پرندش شہر شہر ارچہ بود خشک
چنین گل کم مگر از نافہ مشک

بسویش بسکہ دلہا گشتہ مائل
شدہ در گردن خوباں حمائل

دونہ

دگر دونہ کہ آں ریحان ہند است
زتری بوش دلہا خورد پسند است

سپرغم رنگ برگش اسپرغم
غلام او شده شاہ سپرغم

کرنہ

دگر کو نہ کرچوں زو جست بوئے
معطر گرد داز یک خانہ کوئے
بسودہ مشک وبویش نام کردہ
زبہر از بہر دلہا دام کردہ

سیوتی

چو پیکان ہلیلہ سیوتی خرد
کہ جاتہا بہر آں پیکان ہوس برد
زعشق بوئے او جان دادہ زنبور
نگشتہ بعد مردن نیز ازو دور
ہمہ خوبانش عاشق دار جویاں
کہ معشوقیست نزد خوبرویان

خراسان کے پھولوں پر ہندوستانی پھولوں کو ترجیح دی ہے لکھا ہے کہ گل لالہ کا رنگ تو ارغوانی ضرور ہے لیکن بو نہیں۔ اس لئے یہ پھول ہندی پھولوں کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہندوستان کے پھولوں کے نام فارسی دانوں کے نزدیک اچھے نہیں ورنہ ہر پھول بہشت کے باغ کا پھول ہے۔ اگر یہی پھول روم یا شام میں ہوتے تو ان کے عربی فارسی نام کون رکھتا۔

وہ کون سے ایسے پھول ہیں کہ شاخ نہال سے جدا ہو کر بھی سال بھر خوشبو دیتے رہتے ہیں۔ خسرو کی قوت مشاہدہ اور تجربہ اتنا وسیع تھا کہ پھولوں کے باب میں وہ یہاں تک کہہ گیا کہ چمپا کے پھول سے تیل نکالا جاتا جو بڑا خوشبو دار ہوتا ہے۔ اور مولسری پر مکھی اور بھڑ اس طرح فریفتہ ہے کہ مر کر بھی اس سے الگ نہیں ہوتی۔ حسینان ہند کی تعریف کرتے ہیں تو بھی خراسان کے پھولوں کو رنگ بے بُو کہتے ہیں۔

میان ہند را نسبت ہمیں ست — بہر یک موئے شان صد ملک چین ست
چو گیری نام از یغماد خلخ — کہ غالب تیز چشم اندر ترش رخ
چو یاد آری سپید و سرخ لمارو ئے — چو گلہائے خراسان رنگ بے بوئے
دگر پرسی خبر از روم و از روس — از ایشاں نیز ناید لابہ ز لوس
سپید و سرد ہمچو کندہ یخ — کزیشان دم خورد خاتون دوزخ
لب تاتار خود خنداں نہ باشد — ختن را خود نمک چنداں نہ باشد
سمر قندی و انچہ از قندہار ند — بجز نامے ز شیرینی ندارند

بمصر و روم ہم سیمیں خدانند
ولے چستی چالاکی ندانند

اس کے علاوہ تصوف، مذہب، معاشرت اور اخلاق کے باب میں جگہ جگہ اشارے ملتے ہیں کہ وہ ہندوستانی نظریات کے قائل، اور اگر بات شریعت کے خلاف نہیں تو اس پر عامل تھے۔ مثنوی شیریں خسرو میں ایک بزرگ بنام امید کے ساتھ دلچسپ مکالمہ ہے اور اس سے ایسے سوال

کئے ہیں جو دنیا کی ابتدا وغیرہ سے متعلق ہیں۔ جواب شافی اور زیادہ تر ہندوستانی عقائد کے مطابق ہیں۔ آدمی کیا ہے کے جواب میں " امید" کہتا ہے " اگر شہوانی خواہشات اور کھانا پینا ہی مقصد آدمی قرار دیا جائے تو یہ کام گدھا بھی کر سکتا ہے۔

راجہ یعنی بادشاہ اور گورو یعنی مرشد کا تصور بھی انہوں نے ہندوستانی نقطۂ نظر کے عین مطابق پیش کیا ہے۔

خسروؔ کے فکر کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ سیاسی مخالفوں کے ساتھ سخت دشمنی کا سلوک کرتے ہیں خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں لیکن اپنے ہم وطنوں کے مذہب اور تمدن بلا تفریق مذہب احترام کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہب زبان رسم و رواج کا بیان محض رواداری سے نہیں بلکہ طرفدار کے نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ " ستی" کے باب میں کہتے ہیں۔

گرچہ در اسلام روا نیست چنیں
لیک چو بس کار بزرگسیت بر ببیں
گر بہ شریعت بود ایں نوع روا
جاں بدہند اہل سعادت سوا

بادشاہ کو خدا کا سایہ دین کی پشت پناہ قطب دنیا جہاں کشا اور رعایا کا نگہبان کہا ہے۔ یہی نظریہ ہندوستان اور ایران کا نظریہ ہے۔ وہ جب بادشاہوں کی تعریف کرتے ہیں تو سب سے زیادہ زور عدل پر دیتے ہیں اور بادشاہ کو انصاف کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی بات ہندو گرنتھوں میں ہے۔

عدل سرمایہ تاج و تخت ترا　　چرخ بازیچہ طفل بخت ترا

بادشاہ بھیڑیئے اور بکری میں مصالحت پیدا کرتا ہے

شحنہ عدل ست از رعایت خویش　　گرگ را دارد آشتی بامیش

خسرو کی نگاہ میں مرشد کا درجہ بہت بلند ہے یہی بات ہنود نے بھی کہی ہے مرشد یا گورو خدا کے بعد دوسرا درجہ رکھتا ہے۔ نظام الدین اولیاء کی تعلیم ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئی تھی۔ انہیں ہندوؤں سے محبت تھی کیونکہ وہ توحید کے قائل تھے۔ وحدت الوجود کے نکات و دقائق سے باخبر تھے خود ان کے مرشد نے ان کی پوجا اور اشنان کو دیکھ کر اس طرح صاد کر دیا تھا

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

وہ اپنے مرشد کو غوث عالم نظام ملت و دیں قطب ہفت آسماں و ہفت زمیں رہبر ہیش بیں اور نائب مصطفےٰ وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے تھے وہ نسبتاً بہت پہلے زمانے میں چنانچہ کبیر اور نانک سے بھی پہلے اس ملی جلی تہذیب کے سنگم تھے۔ کمیٔ مطالعہ کی بنا پر لوگوں نے انہیں صحیح طور پر سمجھا نہیں وہ خود کہہ گئے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

حضرت نظام الدّین اولیاء اور خسرو

حضرت نظام الدین اولیاء کا پورا نام محمد بن احمد بن علی البخاری نظام الدین اولیاء تھا۔ ہندوستان میں آپ کو سُلطان المشائخ کے نام سے بالعموم یاد کیا جاتا ہے آپ کے دادا بخارا کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت بدایوں کی ہے۔ آپ مشائخِ چشت ہند کے سلسلے کے چوتھے خلیفہ تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی۔ خاندانِ غلامان و خاندانِ خلجی اور خاندان تغلق کے دس گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ایسے بادشاہ بھی آئے جنہوں نے ان سے بربنائے مخاصمت دلی چھوڑ دینے کے لئے کہا لیکن وہ خود ہی دلی تو کیا اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

آپ کے والد کا نام احمد بن دانیال تھا۔ آپ غزنین سے ہندوستان آئے تھے (فرشتہ) والدہ کی تلقینات کی وجہ سے خواجہ نظام الدین اولیاء کا رجحان مذہب کی طرف ہو گیا۔ احمد بن دانیال کا انتقال ہوا تو یہ لوگ دلی آ گئے۔ ماں نے بیٹے کی تعلیم میں غفلت نہیں کی۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی حضرت امورِ باطنیہ میں ماہر ہو گئے۔

اجودھن میں خواجہ فرید الدین گنج شکر کی خانقاہ کے حالات سُنے۔ وہاں کی کیفیات کی داستانیں سُنیں۔ سمندِ ناز کو ایک تازیانہ ہوا۔ شوق ملاقات میں اجودھن پہنچے اور وہاں بابا فرید سے رموزِ معرفت میں چار سال تک درس لیا۔ بس یہی تھی ابتدا، ان کے آئندہ خلیفہ بننے کی۔ پیر کی نظریں مردم شناس تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ میرے کام کو آگے چلانے کے لئے موزوں ترین شخص یہی ہیں۔ چنانچہ جب یہ روانہ ہوئے تو انہیں ایک سجادہ اور ایک جبہ دیا گیا اور دہلی میں انہیں بابا فرید نے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ جب فرید الدین گنج شکر کا انتقال ہو گیا تو ان کی وصیت کے مطابق یہ چشتیہ فرقے کے صدر اور صوفیاء کے پیشوا قرار دیئے گئے۔

آپ نے شہر دہلی کے قریب ہی غیاث پور میں قیام کر لیا۔ آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام تھی۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امیر و غریب عارف و عامی ہر شخص کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ جو شخص جس وقت ملنے کے لئے آتا باریاب ہوتا۔ تاریخ مشایخ چشت میں خلیق احمد نظامی نے ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> "اسی زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور ان سے توبہ کرواتے تھے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے۔ ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام، مالدار ہو یا غریب

بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا شریف بازاری ہو یا شریف آزاد ہو یا غلام ہر ایک کو طاقیہ عطا فرماتے، مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے۔ اور سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمت گار سمجھتے تھے اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ شہر سے غیاث پور تک مختلف مقامات پر چبوترے بنائے گئے تھے چھپر ڈال دئے گئے تھے۔ پانی سے بھرے مٹکے اور مٹی کے لوٹے رکھے رہتے تھے۔ چٹائیاں بھی رہتی تھیں۔ ہر چبوترے اور ہر ایک چھپر میں ایک حافظ اور ایک خادم مقرر کر دیا گیا تھا۔ تاکہ مریدوں، توبہ کرنے والوں اور نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز کے ادا کرنے میں کوئی تردد نہ ہو۔"

بلبن نے شیخ سے امامت قبول کرنے کو کہا تھا تو کتنا برجستہ جواب دیا۔

"ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کیا ہے کیا بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جاتی رہے۔"

چشتیہ سلسلے کے مشایخ ہمیشہ بادشاہوں اور شاہی ریشہ دوانیوں سے دور رہے۔ کیقباد، قطب الدین خلجی، مبارک شاہ اور غیاث الدین تغلق خواجہ نظام الدین کے خلاف رہے۔ محمد تغلق بھی ان کے دیوگیری میں منتقل ہونے سے انکار کرنے پر خوش نہیں تھا لیکن یہ ایک مرد آہن تھے۔ قلندرانہ شان سے رہے۔ اور کسی بادشاہ کی چیرہ دستی کی پروا نہیں کی۔ بعض واقعات تو ایسے ہیں کہ لوگ حضرت کا معجزہ ہی قرار دیتے ہیں۔ غیاث الدین تغلق جب بنگالے

کی ہم پر گیا تو کہہ گیا کہ میری واپسی تک دلی چھوڑ دینی ہوگی۔ وہ دن آرہا تھا اور مریدین کہہ رہے تھے کہ حضرت اب کیا کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا۔ "ہنوز دلی دور است" چنانچہ غیاث الدین تغلق کی موت دلی پہونچنے سے پہلے ہی ہوگئی۔ مبارک شاہ خلجی نے جب دربار میں حاضر ہونے پر اصرار کیا تو آپ نے اجودھن کا رخ کر لیا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت کی خانقاہ دلی کے قریب یا دلی ہی میں واقع ہونے کے باوجود سلطنت دہلی کا حصہ نہ تھی آپ کے خلیفوں کی تعداد سات سو بتائی جاتی ہے۔ مبارک شاہ کو تو اس لئے کد تھی کہ تخت کے دعویداروں میں خضر خاں تھا جو حضرت کا مرید اور ارادتمند تھا اور شیخ کی اس پر مہربانی کی نظر بھی تھی۔

ایسے ہی امیر خسرو ایسی مایۂ ناز ہستی بھی دامنِ شیخ سے وابستہ تھی بلکہ دونوں کی محبت عشق کے درجے تک پہونچ گئی تھی۔ حضرت امیر خسرو کو "ترک اللہ" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ خسرو کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۶۷۱ھ بابت ۱۲۷۲ء گویا اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ کے مرید ہوئے تھے اور انہوں نے شیخ سے بیعت کر لی تھی۔ شیخ طوطئ ہند امیر خسرو کے کلام کی چاشنی سے ضرور پہلے لطف اندوز ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ جب وہ بقصد بیعت کے لئے آئے تھے تو شیخ نے دربان سے کہا ایک ترک ہم سے ملنے کے لئے آیا ہے اسے لے آؤ تو اضع اور مدادات سے پیش آئے۔ جب خسرو نے بیعت کی تو شیخ نے ایک بارانی اور ایک کلاہ چہار ترکی عنایت کی اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے بغایت مانوس ہوگئے۔ شیخ نے ایک بار

فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میرا نامۂ اعمال اس ترک کے سوزِ دل کی آتش سے صاف ہو جائے گا۔ انہوں نے امیر خسرو کی مدح میں ایک رباعی بھی لکھی ہے۔ خواہ صحیح ہو خواہ محض روایت لیکن آخر کے دونوں مصرعے لاجواب ہیں

آں خسروِ ماست ناصرِ خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصرِ خسروِ ماست

یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہم دونوں کو پہلو بہ پہلو دفن کرنا۔ چونکہ ایک قبر میں دو آدمیوں کا دفن کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ شرط ہے ورنہ یہی کہتا کہ ایک ہی قبر میں دفن کرنا۔

خسرو کا کمال یہ تھا کہ جن شاہانِ وقت کو حضرت نظام الدین اولیاء سے کد تھی۔ یہ ان کے ساتھ برابر منسلک رہتے ہوئے حضرت کے پاس اسی ارادت مندی سے آتے جاتے رہے۔ کسی کے ماتھے پر بل نہیں آیا۔ نظم میں کئی تصنیفات میں خسرو نے اپنی ارادت مندی کا اظہار کیا ہے۔

خواجہ حسن نے ملفوظاتِ شیخ پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی فوائد الفواد آپ نے بھی اسی نوع کی ایک کتاب لکھی ہے افضل الفوائد۔ ہر چند یہ مختصر ہے لیکن استنادمیں مقدم ہے۔ کیوں کہ شیخ سے انہیں تقرب خاص حاصل تھا

غرۃ الکمال میں دریائے ابرار کے عنوان سے ایک قصیدہ خسرو نے حضرت نظام الدین کی مدح میں لکھا ہے۔ جامی اور نوائی نے اس قصیدے کا جواب لکھا ہے۔ تینوں کے پہلے مصرعے یہ ہیں۔

(۱) کوس شد خالی و بانگ غلغلش درد سر است

(۲) کنگرِ ایوان شد کز کاخ ایوان برتر است

(۳) آتشیں لعلے کہ تاج خسرواں را زیور است

دیوان نہایۃ الکمال آخری دیوان خسروؔ ہے۔ غیاث الدین تغلق کے انتقال کے بعد مرتب کیا تھا۔

مثنوی نہ سپہر کے پہلے سپہر میں ہی منقبت حضرت نظام الدین اولیاء ہے۔ شیخ کی مدح میں ایک قصیدہ کلیات مطبوعہ نول کشور میں شامل ہے ایک ترکیب بند بھی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے ۹۵ برس کی عمر پائی۔ جب ان کے انتقال کی خبر خسروؔ کو ملی تو وہ دلی سے باہر تھے فوراً دلی آئے جو مال و متاع پاس تھا یادِ شیخ طریقت میں لُٹا دیا۔ مزار کی جاروب کشی کا فریضہ اختیار کیا۔ اپنے شیخ طریقت کے انتقال کی اندوہ ناک خبر سنتے ہی کپڑے پھاڑ ڈالے تھے منہ پر کالک مل لی تھی اور اپنے مرشد کے مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ طبیعت مضمحل اور افسردہ رہنے لگی۔ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ اب میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہوں گا۔ پورے چھ مہینے بعد ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خسروؔ کا ذہن تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شیخ کی تعلیم ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ اپنے مرشد کو غوثِ عالم، نظامِ ملت ودیں، قطب ہفت آسمان ہفت زمیں، رہبرِ ہیش بیں نائبِ مصطفٰے وغیرہ ناموں سے یاد کرتے تھے اور فرمایا ہے۔

ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست
بندہ خسروؔ غلامِ ایشان ست

ہشت بہشت میں حمد و نعت کے بعد خواجہ نظام الدین اولیار کی مدح ہے اور یہ علاء الدین خلجی کی مدح سے پہلے درج ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بادشاہوں کی مدح سے خواجہ صاحب کی مدح کو مقدم رکھتے تھے۔

خسروؔ کی اکثر مثنویوں میں یہی التزام ہے کہ منقبت سلطانِ وقت کی مدح سے پہلے ہے۔ خمسہ کی تمام مثنویوں اور عشقیہ اور نُہ سپہر میں یہ التزام ہے۔ تغلق نامے کا ابتدائی حصّہ موجود نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں شیخ کی مدح ہو۔ خمسہ سے پہلے کی مثنویوں میں البتہ یہ التزام نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس وقت شیخ سے تعلقات پیدا نہیں ہوئے تھے۔ کیوں کہ تحفۃ الصغر میں جو خسروؔ کا پہلا دیوان ہے اور جس میں بیس برس تک کا کلام ہے۔ شیخ کی تعریف میں ایک نہایت عمدہ ترکیب بند اور رباعیات اور قطعات موجود ہیں۔ وسط الحیات میں بھی شیخ کی مدح میں قصائد وغیرہ ہیں۔

خسروؔ اپنے بچپن میں جو کچھ کہتے تھے شیخ کو دکھا دیتے تھے۔ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ چنانچہ خسروؔ نے طرز صفاہانیاں پر غزل سرائی شیخ کی فرمائش سے شروع کی تھی (سیرالاولیاء) اس لئے یہ گمان درست نہیں ہوسکتا کہ قران السعدین یا دوسری مثنویوں میں جو پہلے لکھی گئی تھیں۔ شیخ کی مدح کا

نہ ہونا عدم تعلقات کا مظہر ہے لیکن چونکہ خمسہ کا آغاز شیخ ہی کی بشارت سے شروع ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت یہ خیال پیدا ہوا ہو اور بعد میں جاری رہا ہو۔

شیخ سے تعلق خاطر کا ایک اعلیٰ نمونہ خسرو کی تصنیف افضل الفواد ہے جو حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر شیخ کے اقوال درج ہیں۔ ایسی ہی ایک خواجہ حسن کی تصنیف فوائد الفواد ضخیم تر ہے۔ لیکن خواجہ حسن کو پیر طریقت کی صحبت میں بیٹھنے کا زیادہ موقع ملتا تھا اور خسرو تو درباداری کے فرائض میں زیادہ منہمک رہتے تھے۔ تھکے ہارے جماعت خانۂ پیر طریقت میں آتے تو کچھ اقوال لکھ لیتے ہوں گے یا حافظے کی مدد سے بعد میں بوقتِ فرصت قلم بند کرتے ہوں گے۔ خواجہ حسن کی تصنیف پُر تفصیل ہے۔ کہیں کہیں خانقاہ کے حالات بھی ہیں۔ قابلِ ذکر بات بحثِ سماع سے متعلق ہے۔ حضرت نظام الدین نے ایک استفسار کے جواب میں فرمایا تھا کہ جو لوگ محفلِ سماع میں چیخنے چلّانے لگ جاتے ہیں اور طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہیں وہ بہت بُرا کرتے ہیں۔ ہاں حرکت کرنے یا رقص کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ تالی پیٹنا، دستک دینا اور مزامیر یعنی آلاتِ موسیقی کے استعمال کو۔ شیخ بُرا سمجھتے تھے۔

آخر میں قصیدہ دریائے ابرار کے منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر غلام دستگیر رشید حیدرآباد دکن نے دیوان غرۃ الکمال بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔ بکمالِ عنایت مجھے یہ شعر نقل کر کے بھیجے۔

منتخب اشعار

این تلخ مے کہ ہست دل مردہ را حیات
زہر است در دہان حریفان بدفعال

کوس شد خالی و بانگ غلغلش در دسر ست
ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و بر است

تا زہر بادی بجنبی با بدامن کش چو کوہ
کادمی مشتی غبار و عمر بادِ صرصر است

شکر گو از فقر نعمت را کشد زیرا خلیل
چوں تبر بر داشت منت بر بتان آذر است

دولت آں بنود کہ سلطاں را پرستی چوں سگاں
خدمت درویش کن کیں مایہ فر اذ فر است

مرد بینا در گلیم و بادشاہ عالم است
تیغ خفتہ در نیام و پاسبان کشور است

پیر ما از نامرادی رگ چو پیدا شد بپوست
بہر تعلیم مریداں راستی را مسطر است

ہست بینائی بشر آنجا کہ عین عزت است
ہست مرغابی ملک جای کہ بحر اخضر است

فرِ ہمت سالکاں را راہ عرش و کرسی است
پرِ بلبل نزد باں شاخِ سرو صرصر است
جعفر آں باشد کہ طیار از فلک بیروں پرد
نی کسی کو بال را طیار سازو جعفر است
نفس خاک تست ہر کہ نور بر تو تافت
سایہ زیرِ پا بود ہر گہ کہ بر تارک خور است
در تصوف رسم جستن خندہ کردن بر خود است
در تیمّم مسح کردن خاک کردن بر سر است
دل ز سودا ہائی گوناگوں بشوی و جمع باش
زانکہ اوراق سپید این ز بیم ابتر است
کار بیداراں نہ باشد خواب گاہ آرمیتن
ہمت درویش خواب آلودہ جائی لنگر است
رخش ہمت را فگن بر گستواں از دلقِ فقر
نفس محرابِ بجن کیں جا جہادِ اکبر است
خستن نفس گزندہ مذہب صاحب دلست
کشتنِ مار گزندہ قوّتِ افسوں گر است
از جراحت زندہ گردد دل کہ فاسد شد چو خوں
وردِ الشافی ہو اللہ بر زبانِ نشتر است

کار ایں جا کن کہ تشویش است در محشر بسی
آب از ایں جا بر کہ در دریا بسی شور و شر است

احتراقِ مفلسی مصباحِ راہِ ظلمت است
ذوالفقارِ حیدری مفتاحِ بابِ خیبر است

ہر کہ پابستہ زہا شد بزنجیریت اسیر
پیش ازیں بنود کہ او بستہ بزنجیر زر است

رسم مردم نیست خود بینی بہ بیں مردم بہ چشم
عینِ بینائی و در خود ننگرد زاں سرور است

چشم حاصل کن کہ انگہ می نماید بی حجاب
آنچہ پنہاں در پس ایں شیشہ صافی در است

ہر کہ خواند علم شرع آں ہم نہ از بہر خدا است
از پی تنظیم میر دا عتقادِ دا ور است

ہر کرا خاموش بینی پند می گوید بگیر
کالت دشنام گفتن جاہلاں را ابنر است

معنی خسروِ موثر ناید اندر مردگاں
ہیچگہ دیدی کہ مستی در سبو و ساغر است

یا ربم توفیق دہ کارم بجا تا وقت مرگ
آنچہ فرمانِ خدا و سنتِ پیغمبر است

خسرو کی تصانیف

(مثنویوں کے علاوہ)

امیر خسرو کی تصانیف کے باب میں مختلف بیانات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ضیاء الدین برنی (تاریخ فیروز شاہی) "ان کی تصانیف سے پورا کتاب خانہ بن سکتا ہے" برنی ان کا ہمعصر تھا۔

(۲) یہی بات مصنف سیّر الاولیاء نے لکھی ہے۔

(۳) جامی نے تصانیف کی تعداد ننانوے بتائی ہے لیکن تفصیل نہیں دی۔

(۴) امین الدین رازی نے اور مبالغہ کرکے اسے ایک سو ننانوے بتایا ہے۔

ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی تصنیف امیر خسرو میں تصانیف کی ایک فہرست دی ہے وہ ۵۰ تک پہنچتی ہے لیکن اس میں سے بھی بعض ناپید ہیں خسرو کی تصانیف کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

۱- دواوین

۲- مثنویاں

۳- کتب نثر

پہلا دیوان تحفۃ الصغر ہے اس میں ان کے وہ قصائد ہیں جو کم عمری میں کہے گئے۔ یہ دیوان ۶۷۱ ہجری میں مرتب ہوا۔ کلام سال دو سال پہلے تک کا ہوگا۔

گویا انیس سال کی عمر تک کا۔ یہ دیوان ان کے مخلص دوست تاج الدین زاہد کے کہنے پر مرتب کیا گیا۔ شروع میں ایک دیباچہ بھی ہے۔ اس میں ان کی ابتدائی زندگی کے بعض دلچسپ حالات بھی درج ہیں۔ اس دیوان میں پینتیس قصیدے پانچ ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ متعدد قطعات اور ایک چھوٹی سی مثنوی ہے۔ قصیدے زیادہ تر بلبن اور اس کے بڑے بیٹے سلطان نصیرالدین محمود خاں کی مدح میں ہیں۔ کچھ قصیدے امرا کی مدح میں بھی ہیں جن میں حاتم خاں اور کشلو خاں معروف ہیں۔ اسی دیوان میں ان کے نانا عماد الملک کا مرثیہ بھی ہے خاقانی کے تتبع میں اور اس کی زمینوں میں نو عمر خسرو نے قلم رانی تو کی ہے۔ گو وہاں تک پہنچنا مشکل بلکہ محال تھا پھر بھی کہیں کہیں سلاست اور روانی میں جواب نہیں رکھتا۔ اس زمانے میں آپ سلطانی تخلص فرماتے تھے۔

دوسرا دیوان۔ وسط الحیات، اس میں وہ نظمیں درج ہیں۔ جو انہوں نے انیس سے چوبیس سال کی عمر تک کہیں۔ لیکن ایسے قصائد بھی ملتے ہیں جو بتیس بلکہ پینتیس سال کی عمر میں کہے۔ اس دیوان کو ۶۸۴ھ میں مرتب کیا گیا۔ دیوان کا ذکر پہلے ایک عربی عبارت میں کیا ہے۔ اس دیوان کا بھی ایک دیباچہ ہے۔ اور اس سے بھی ان کی زندگی کے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ شاعر کا بہترین کلام جوانی اور درمیانی عمر کا کلام ہوتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ روانی اور پختگی تو بڑھتی جاتی ہے مگر جوش و ولولہ اتنا نہیں رہتا۔

اس دیوان میں اٹھاون قصیدے، آٹھ ترجیع بند، اور متعدد قطعات و رباعیات ہیں۔ کل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے۔ جسے آخری

قطعے میں بیان بھی کر دیا ہے۔ قصائد میں حکم الحکم، مروحۃ الروح اور علم العلم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ قصائد زیادہ تر شہزادہ سلطان محمد کی مدح میں ہے باقی قصائد میں حمد و نعت کے علاوہ حضرت نظام الدین اولیاء، کیقباد، بغرا خاں، کشلو خاں، شمس الدین دبیر اور جلال الدین فیروز خلجی کی مدح ہے۔ تین ترجیحات میں سلطان شہید کے مرثیے ہیں۔ قطعات کی تعداد بیالیس ہے۔ اس دیوان میں بھی پہلے دیوان کی طرح عنوانات کے لئے ابیاتِ سلسلہ موجود ہیں۔ یہ التزام بعض مثنویوں میں بھی ہے۔ کیقباد کا قصیدہ تخت نشینی اور ملتان سے متعلق قصائد بڑی علمی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں بھی خاقانی اور کمال اصفہانی کی پیروی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سلطان محمد شہید سے جو محبت اور عقیدت تھی وہ مرثیوں سے صاف نمایاں ہوتی ہے۔ چار شعر ملاحظہ فرمائیں۔

بگہ دفن ہمی گفت بہ دارید مرا
در گِلِ تیرہ بخواری نسپارید مرا

پدر و مادرِ من! خونِ شمائیم آخر
قطرہ سازید وپس از چشم ببارید مرا

خاک دا دند کہ اندر جگرم خواہد داشت
ایں چنیں در جگرِ خاک مدارید مرا

باشما داشتم آخر حقِ صحبت یک چند
بر مگر دید و حق آں بگزارید مرا

کتنا درد ہے ان اشعار میں دل سے نکلی ہوئی بات اثر نہ رکھے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ جبھی تو بلبن یہ سن کر صاحب فراش ہو گیا تھا اور پھر نہ اٹھا۔

تیسرا دیوان۔ غرۃ الکمال۔ یہ دیوان ۶۹۳ھ میں مرتب ہوا۔ اس میں ۴۳ سال کی عمر سے ۳۴ سال کی عمر کا کلام ہے۔ اس دیوان کا دیباچہ بھی بہت دلچسپ اور پر از معلومات ہے۔ اس دیوان میں بھی ابیات سلسلہ موجود ہیں۔ شاعر کے سوانح حیات پر بھی بڑی معلومات ملتی ہیں۔ اس میں کئی پر از معلومات اور دلچسپ موضوعات پر مضامین بھی شامل ہیں مثلاً فن شاعری کی خوبیاں فارسی شاعری کے عربی شاعری پر تفوق کے وجوہ، شعر کے اقسام کیا ہیں ہندوستان کی فارسی شاعری کو کیوں امتیاز حاصل ہے؟ حقیقۃً نظم واقعی بیش قیمت ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے دیباچہ اور بھی بیش قیمت ہے یہ دیوان سب دیوانوں سے بڑا دیوان ہے اور افسوس کہ یہ اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ پروفیسر دستگیر رشید (حیدر آباد دکن) نے اس کو ایڈٹ کرکے شائع کرنے کا انتظام تو کیا ہے لیکن اب وہ خود علیل ہو گئے ہیں۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کو جو اس طرح کے علمی کاموں میں معاون ثابت ہو سکتا ہو اس کام کی تکمیل کر دینی چاہیئے۔ اس دیوان میں مشہور ترین قصیدوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) جنات النجات۔ توحید اور خدا کا ذکر ہے۔
(۲) مرآت الصفا۔ نعت اور پند و نصائح پر مشتمل ہے۔
(۳) دریائے ابرار۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی مدح میں

ہے۔ اس قصیدے پر خسرو کو بڑا ناز تھا۔ جامی اور نوائی نے اس قصیدے کے جواب میں اسی زمین میں قصیدے کہے ہیں۔

۴۔ نظم الدرر۔ تصوف کے مضامین ہیں ہیں۔

ان تمہیدی قصائد کے بعد مدحیہ مضامین ہیں جو جلال الدین فیروز خلجی اس کے دو بیٹوں ارکلی خاں اور ابراہیم قدر خاں، علاؤالدین خلجی اور اس کے بھائی الماس بیگ الوغ خاں اور چند امرا کی تعریف ہے قصائد اور ترجیحات شامل کر کے نوّے سے زیادہ نہیں۔ فیروز خلجی کے سب سے بڑے بیٹے اور خود اپنے بیٹے کا مرثیہ بھی شاملِ دیوان ہے۔ ایک مثنوی بھی دیوان میں شامل ہے جو بذاتِ خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاج الدین زاہد کو اودھ سے ایک منظوم خط مثنوی کی شکل میں لکھا ہے۔ اشعار کی تعداد ۲۶۳ ہے۔ ایک اور مثنوی میں اپنے محسن خاتم خاں کو مخاطب کر کے گھوڑے کی مصیبت بیان کی ہے۔ دیوان میں غزلیات، قطعات اور رباعیات بھی ہیں۔ یہاں بھی حسب دستور اساتذۂ سلف کا تتبع کیا ہے۔ ایک قصیدے کی تشبیب میں عید کی آمد کا ذکر ہے۔

غرۃ الکمال کے دیباچے میں امیر خسرو نے آج سے قریب قریب سات سو سال پہلے یہ خیال ظاہر کیا کہ غزل کی شاعری میں کوئی اہمیت نہیں۔ وہ بحث جو ان کے صدیوں بعد چلی انہوں نے اس کا آغاز خود کر دیا۔ اور غالب بھی شاید اسی سے متاثر ہو کر کہہ گئے رہتے کہ ع

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل

خسرو سمجھتے تھے کہ دو چار دس غزلیں کہہ کے ہر شخص شاعر بن جاتا ہے۔ ان کے دیوانوں کو دیکھو۔ اصل جوہر قصائد اور مثنوی میں کھلتے ہیں۔ ہندوستانی سخنوروں کے باب میں دیباچے میں لکھا ہے۔

ہندوستان کے عالم خصوصاً وہ جو دہلی میں مقیم ہیں ان تمام اہلِ ذوق سے جو دنیا میں کہیں بھی پائے جاتے ہیں۔ فنِ شعر میں برتر ہیں۔ عرب، خراسانی، ترک وغیرہ جو ہندوستان کے ان شہروں میں آتے ہیں جو اسلامی حکومت میں ہیں مثلاً دہلی، ملتان، لکھنوتی اگر ساری عمر بھی یہاں گزار دیں تو اپنی زبان نہیں بدل سکتے" اور جب شعر کہیں گے تو اپنے ملک کے محاورے ہی میں کہیں گے۔ لیکن جو ادیب ہندوستان کے شہروں میں پلا بڑھا ہے خصوصاً دہلی میں بغیر کسی ملک کو دیکھے یا وہاں کے لوگوں سے ملے جلے اس ملک کے لوگوں کی طرز میں لکھ سکتا ہے بلکہ ان کی نظم نثر میں تصرف کر سکتا ہے۔ اور جہاں بھی چلا جائے وہاں کی روش کے مطابق بخوبی لکھ سکتا ہے۔

(وحید مرزا صفحہ ۲۲ - ۲۲۵)

چوتھا دیوان بقیہ نقیہ - یہ دیوانِ خسرو چونسٹھ برس کی عمر میں مرتب ہوا۔ گویا علاؤالدین کے انتقال کے کچھ عرصے بعد۔ اس میں بھی ایک دیباچہ ہے لیکن ویسا نہیں جیسا غرۃ الکمال کا ہے۔ ابیات سلسلہ اس میں بھی نہیں۔ ضخامت میں بہت چھوٹا ہے لیکن پختہ عمری کا پختہ کلام ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے میرے نفس میں شعر و شاعری کی ہوس بڑھتی ہی جاتی ہے۔ بتیس سال کی عمر میں ایک لباعی

کہنے کے بعد مجھے غور و فکر اور تامّل کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب جب کہ میں چونسٹھ برس کا ہو چکا ہوں اور میرے دُرِ دنداں گرنے کے قریب ہیں۔ میرا یقین مجھ سے کہتا ہے کہ یہی وہ خاص وقت ہے جب میرے منہ سے شعر کے موتی جھڑنے چاہئیں ...."

کسی نے سچ کہا ہے:

پیری میں فنِ شعر کی ہوتی ہے پختگی
پھلتی ہے اس چمن میں نہالِ کہن کی شاخ

اس دیوان میں ترسٹھ قصیدے، چھ ترجیحات، مثنوی کی ایک سو پینسٹھ ابیات، دو سو قطعات، پانچ سو ستر غزلیں اور تین سو ساٹھ رباعیات ہیں۔ قصیدوں میں ایک قصیدہ ظہیر فاریابی کی زمین میں ہے۔ گویا اس کے جواب میں ہے۔

ظہیرؔ۔ سپیدہ دم کہ زند ابر خیمہ در گلزار
خسروؔ۔ سپیدہ دم کہ گہر بار ابر در گلزار

باقی قصیدے زیادہ تر ایسے ہیں کہ کسی کا تتبع نہیں کیا۔ غزلیات حمد سے شروع ہوتی ہیں۔ حالیؔ کی ایک غزل یاد آگئی۔

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ممکن ہے ذیل کی حمد سے اس کا خیال آیا ہو۔

اے ز خیالِ ما بروں در تو خیال کے رسد   با صفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

گر ہمہ مردم و ملک خاک شدند بر درت　　دامنِ عزت ترا گردِ ملال کے رسد
کنگرِ کبریائی تو ہست فراز لامکاں　　طائرِ ما دراں ہوا بے پر و بال کے رسد
ہست بہ لخت گاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب　　لیک بجلوۂ چناں چشمِ خیال کے رسد
در چمنی کہ بلبلش روح قدس ہمی سزد　　گل خلیان خاک را بوئی وصال کے رسد

آیت رحمت از حرم ہست برائی حاجیاں
خسروِ بت پرست را جز خط و خال کے رسد

علاؤ الدین خلجی کا مرثیہ بھی ماتم و مدح کا امتزاج ہے۔ خسرو نے اس ضمن میں کمال کیا ہے۔

آں مرغ عرش را بسر سدرہ جائے باد
سایہ ہمیشہ سدرہ طلب زیں ہمائے باد
او را نکو شنغمۂ مرغانِ جنت است
ایں را بہ نزدِ زہرہ ترنم سرائے باد
دو بالش سیاہ شہ ایں نور دیدہ را
از چشم بد ہمیشہ نگہبان خدائے باد

اس دیوان کے چند ہی مخطوطے ہیں اور یہ ابھی شائع نہیں ہوا۔

پانچواں دیوان۔ نہایۃ الکمال۔ غیاث الدین تغلق کے انتقال اور محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد یہ دیوان مرتب ہوا۔ اس کے مرتب کرنے کے بعد خود بھی جلد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اس دیوان کے بہت کم نسخے ہیں بہت نادر و نایاب ہے۔ اس میں بائیس قصیدے، پانچ ترجیحات، چار

چھوٹی چھوٹی مثنویاں، قطعات، غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ اس میں بھی حضرت نظام الدین اولیا کی توصیف ہے۔ غیاث الدین تغلق اس کے بیٹوں جونا خاں، بہرام اور ابراہیم کی مدح ہے لیکن اخلاقیات اور تصوف پر مشتمل قصائد بھی ہیں۔ ایک قصیدے میں شہر دیوگیر کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ ترجیحات میں ایک مرثیہ مبارک شاہ خلجی کا ہے۔

قطعات میں خاص بات یہ ہے کہ بعض میں پہیلیاں کہی گئی ہیں۔ ایک میں بادشاہ کو تغلق آباد کی تعمیر پر مبارکباد دی ہے۔ یہ دیوان بھی اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

اعجازِ خسروی

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار رسالوں کا مجموعہ ہے اور اس وقت مکمل ہوئی جب خسرو کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی۔ بعد میں ایک رسالہ اور اضافہ کیا گیا جس میں احباب کے نام اوائل عمر کے خطوط ہیں۔ یہ ضخیم کتاب فارسی نثر کا ایک مزین نمونہ ہے۔ اس میں صنائع اور بدائع کی کثرت ہے۔ تجانیس خطی ولفظی کم ہیں ہاں معنوی صفتیں اور ایہام اتنا ہے کہ غور کرتے کرتے سر چکرانے لگتا ہے لیکن کتاب معلومات سے پُر ہے۔ کہیں ایسا خط مل جائے گا جس سے دلّی کی عظمت پارینہ ظاہر ہو۔ کہیں اہل حرفہ کا ذکر ہوگا کہیں تاجروں اور اہل علم کا۔ نئی تشبیہیں، نئے استعارے اور نئے صفات استعمال کئے ہیں۔ اس میں فارسی نثر کے ان نو اسلوبوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اس زمانے میں رائج تھے۔

۱- صوفیہ اور اولیاء کا اسلوب۔

۲- علماء محقق مثلاً الغزالی کی فارسی تصانیف کا ترجمہ

۳- کاتب اور انشا نویسوں کا اسلوب۔

۴- علماء اور فضلاء کا طرز تحریر۔

۵- خطیبوں اور واعظوں کا اسلوب۔

۶- مشائخ یا مدرسین کا اندازِ تحریر

۷- عام اسلوب۔

۸- مزدوروں اور کاریگروں کا انداز

۹- ظریفوں، بھانڈوں اور مسخروں کا اسلوب۔

اس کے بعد خسرو اپنے اسلوب کے باب میں لکھتے ہیں کہ وہ سب سے نرالا اور منفرد اسلوب ہے۔ ان پانچوں رسالوں میں خسرو نے کمالِ انشاپردازی کے جوہر دکھا کر پرانی طرز پر لات ماری ہے۔ کسی خط میں موسیقی و آلات موسیقی کی تفاصیل اور بحث ہے۔ بعض میں نجوم طب قصّہ اور شطرنج وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ چوتھے رسالے میں پانچ خط ہیں۔

الرّسالۃُ الرابع فی البدائع من المصنوعات تشتمل علی خمسۃ خطوط۔

خطِ اوّل در دیباچہ ایں قسم و بیان کیفیاتی کہ ضروریست از تشبیہات و لطایف بدایع کہ ملایم ایں قسم است و دریں قسم حروف تفصیل خبر است۔ خط دوم در مفردات ایں قسم وانگیخت دران مشتمل بر سہ حرف۔ خط سوم در امثلہ

ومکتوبات سلاطین وملوک مشتمل بر سہ حرف۔ خط چہارم در مکتوبات علم و حکمت وفضل وادب ومواعظ ونصائح مشتمل بر سہ حرف۔ خط پنجم در رقعات موجز مشتمل بر سہ حرف۔ (رسالۂ رابعہ صـ۲ ۔ نول کشور پریس ۱۸۷۶ء)

معنوی صفت کی مثال :-

میوہ در صفت ہائے شیریں۔ دل خسرو بہ انگور وکلکش بہ نیشکر ماند کہ ہر دو را عصیر می کنند۔ وشراب خالص بہ دوں می آرند، درونش چوں عناب باید درون خستہ وبرون خون آلودہ۔ نہ ہمچوں بادام بیرون کنحت دیدہ و درون دو مغز ردی انگور است ازاں سیاہ میگردد کہ فرزند صالح او معتمد می شود۔ بادام دو مغزہ بہ از خرما، دو پوستہ زیرا کہ از خرما استخوانی می زاید وآں ہم یگی واز بادام دو مغز می زاید و آں ہم دو بیکبار۔

رسالہ ثلثہ کا صفحہ ۲۰ پورا صفت منقوطہ میں۔ اور صفحہ ۲۱ صفت غیر منقوطہ میں۔ اول میں ہر لفظ کا ہر حرف منقوطہ ہے اور دوم میں غیر منقوطہ۔

فرامین اور فرایمن پر بحث بھی ہے۔ بعض خط یقیناً فرضی لیکن خسرو نے اپنے دوستوں کے نام لکھے ہیں۔ اس رسالے سے خسرو کے زمانے کے ذہنی انتقاد کا پتہ چلتا ہے۔ پانچویں حصّے میں نجم الدین حسن اور تاج الدین زاہد کے نام خطوط برائے دلچسپ ہیں۔ بعض جگہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خسرو نے بھی موسوم دوستوں کے نام فرضی خطوط لکھے ہیں جیسا کہ غبارِ خاطر کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ طنزیہ فقرے، دعاؤں اور بددعاؤں کے دلچسپ نمونے ان

رسالوں میں ملتے ہیں۔ معاشرت، دلی کی تعمیرات، دلی کی وضع وغیرہ بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

دلی کے متعلق لکھا ہے کہ جمنا کے دونوں طرف اس شہر کی آبادی تھی۔ اور یہ دریا آبادی کو اس طرح تقسیم کرتا تھا جیسے دجلہ بغداد کو۔ یہی وجہ تھی کہ جمنا میں ہر وقت چھوٹی بڑی کشتیاں چلتی رہتی تھیں۔

زبانِ ہندی کے متعلق لکھا ہے

از تیغ ہندی بُرّاں تراست

فارسی زبان کو ہندوستان کی زبانوں سے قریب لانے کے لئے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اس میں عربی الفاظ زیادہ تر استعمال نہ کئے جائیں۔

دلی میں زر وسیم کی کثرت کے باب میں لکھا ہے

"دریں شہر ہر بیہ جری زری ست کہ می رود"

غیر ملکی تاجروں کے خلاف امیر خسرو نے ایک عرضداشت لکھی کہ، یہ لوگ شام، حبش، مصر وغیرہ سے بڑا سرمایہ حاصل کر کے یہاں آئے ہیں۔

"اکنوں سوئے دہلی کہ سوادِ اعظم است آمدہ تا ایں سواد را نیز باہمہ ہندوستاں بشویند و بر دند"

اس زمانے کی دلی ہر زمانے کی طرح ساہوکاروں اور مہاجنوں کے غلبے کی دلی تھی۔ یہ بیشتر ہندو تھے۔ دلی کے امراء اکثر ان کے مقروض رہتے تھے۔ ان کے سود کی شرح دس فی صدی سالانہ تھی۔

خزائن الفتوح

اسے تاریخ علائی بھی کہتے ہیں۔ یہ سلطان علاؤالدین خلجی کی فتوحات کی بڑی دلچسپ اور مستند تاریخ ہے۔ مستند اس لئے کہ مختلف محاربوں ہی کی نہیں بلکہ ان سے متعلق واقعات کی تاریخیں بھی درج ہیں۔ لشکر کا کوچ کرنا، راہ میں قیام، حملہ یا محاصرہ، فتح سب کی تاریخیں ملتی ہیں اور پھر تاریخیں بیان کرنے کا بعض اوقات بڑا بدیع انداز ہے یعنی ابجد کے حساب سے تاریخ نکلتی ہے، اور وہ بھی ایک معما حل کرنے کے بعد۔ ایک فائدہ اس سے متصور ضرور ہوگا کہ کاتب تحریر میں ستم ظریفی سے تاریخ کچھ کی کچھ نہ لکھ جائیں۔ خزائن الفتوح علی گڑھ میں چھپی تھی۔ پروفیسر حبیب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ لیکن علی گڑھ کی مطبوعہ کتاب زیادہ صحیح نہ تھی۔ بالآخر پروفیسر وحید مرزا نے صحیح فارسی متن تیار کیا اور انگریزی میں بصیرت افروز مقدمہ بھی لکھا۔ اسے رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ۱۹۵۳ء میں کلکتے سے شائع کیا۔ فارسی متن ٹائپ میں چھپا ہے۔ نثر سے پہلے خسرو نے ایک شعر لکھا ہے جس سے بسبب نام کتاب کہنا چاہیئے

این نامہ کہ نقدِ فتح داد در جیب

شد نام خزائن الفتوحش از غیب

پروفیسر وحید مرزا نے مشہور فتوحات کا خلاصہ انگریزی مقدمے میں دیا ہے۔ احوال پاسبان کو نسبت سے منسوب کیا ہے۔ چنانچہ ان نسبتوں میں سے مشہور نسبتیں یہ ہیں۔

نسبت امر و نہی سلطانی

این فتح خزائن الفتوح است
ہر گوہر از و چراغ روح است

کیفیت جلوس جہانبان ملک گیر
کاسودہ گشت از کفِ پایش سرِ سریر

عرصہ کنم او بنود بر بندہ زباں گیری
رجحانِ جہانداری بر رسمِ جہاں گیری

اسی طرح ابیاتِ سلسلہ کا سلسلہ چلتا ہے - عہدِ علائی کی اصلاحات، مثلاً ارزانیٔ غلّہ، لباس دارالعدل، میوہ ہائے پختہ و شیریں، جامہ و لباس فراخ کردن مسجد جامع، عمارتِ حصنِ حصین شہر، ذکر عمارات و قلاع - اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ ہے - فتح برمغل، فتح رنتھنبور، فتح چتوڑ، کیفیت فتح حصنِ مانڈو (مالوہ) فتح دیوگیر، فتح سوانی، فتح معبر و دھور سمندر، ہندوستانی ہاتھیوں کا وصف یوں لکھا ہے -

وصف پیلاں ایں چنیں جز من نہ کس نا ید صواب
ہمچو کوہی کش نیارد سایہ کردن جز سحاب

اس کے بعد بازگشتِ لشکر منصور کا ذکر ہے -

چتوڑ کی فتح کے بیان میں :-

یعنی کہ بُد دو شنبہ و ہشت از دوم جہاد
تاریخ عام ہفتصد و دو گشتہ در شمار

دریں تاریخ جہانگیر عہد باہنگ فتح چتوڑ دمامۂ بلند آوازہ مرا دن لوختن فرمود۔ ما از شہر دہلی بجلالِ علم را سریع الیسر گردانید، چتر سیاہ سلطانی را تا آسمان دخانی برکشیدہ بداں حدود پیوست و از ندای طبلی کہ با کاسۂ فلک کوس می زد مژدۂ دین مسلمانی

رسانید در گوشہائے سپہر

امیر خسرو کی مثنویاں

ابوالحسن یمین الدین خسروؔ بالعموم امیر خسرو کے نام سے مشہور ہیں واقعہ یہ ہے کہ بلبن کے سب سے چھوٹے بیٹے کیقباد نے جب محض تین سال حکومت کرکے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو بالآخر جلال الدین فیروز خلجی تخت پر بیٹھا اور اس نے خلجی خاندان کی بنیاد رکھی - یہ خود شاعر بھی تھا اور اہلِ علم کا قدر داں بھی - کیقباد کے زمانے سے یہ خسروؔ کی ذہانت کا مداح تھا - اس نے سریر آرائے سلطنت ہوکر اس کی بہت قدر افزائی کی - خسرو کو ندیم خاص بنایا اور مصحف داری اور امارت کا عہدہ دیا - بس یہیں سے خسروؔ امیر خسرو کہلانے لگے اور آج تک اسی نام سے معروف و مشہور ہیں -

خسروؔ کی شاعری کا کیا کہنا - فارسی میں وہ دادِ سخن دی کہ خود اہل ایران نے ان کا لوہا مانا ہے - اور ان کو طوطیٔ ہند کے نام سے یاد کیا ہے -

عرفیؔ

بہ روحِ خسرو از یں پارسی شکر دادم

کہ کامِ طوطیٔ ہندوستاں شود شیریں

حافظؔ

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند

زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

فارسی شاعری میں تین شاعروں کو پیغمبرِ سخن مانا گیا ہے۔ لیکن ایک ایک صنفِ سخن میں۔

در شعر سہ تن پیمبرانند   ہر چند کہ لا نبیؐ بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

ابیات سے مراد مثنوی ہے۔ لیکن فردوسی کے عظیم کارنامے کے باوجود پنج گنج نظامی کا وہ سکہ بیٹھا ہے کہ مثنوی میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ خسرو کی قلمرو میں قصیدہ بھی ہے غزل بھی ہے اور مثنوی بھی۔ اس نے جب بلبن کے بڑے بیٹے خان شہید کا مرثیہ دربار میں پڑھا تھا تو اہلِ دربار آب دیدہ ہو گئے تھے۔ اور خود بلبن اتنا غمزدہ ہو گیا تھا کہ بیمار ہو گیا اور جانبر نہ ہو سکا۔ خسرو نے نثر میں بھی کمال کر دکھایا ہے۔ صنائع بدائع میں وہ موشگافیاں کیں کہ کوئی کیا کرے گا۔ تضمین، مستزاد اور نہ جانے کیا کیا کچھ اس کی گرہ میں ہے۔ پھر ہندی شاعری[2] اور اس میں دوہے، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں الغرض ایک باغ و بہار کا عالم ہے اس پر طرہ یہ کہ وہ درباری فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ فردوسی اور نظامی کی طرح محض شعر کہنا ہی اس کا کام نہ تھا۔ فردوسی کا سرمایہ شعر ستر ہزار کہا جاتا ہے۔ صائب تبریزی نے ایک لاکھ سے زیادہ شعر کہے۔ لیکن امیر خسرو کے اشعار کئی لاکھ سے کم نہیں۔ خود انہوں نے کہا ہے کہ تین لاکھ سے زیادہ اور چار لاکھ سے کم ان کا سرمایہ ہے۔ چونکہ انہوں نے ابیات

---

[1] شعر العجم۔

[2] بعض محققین خسرو کی ہندی شاعری کو الحاقی مانتے ہیں۔

کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے دو لاکھ اشعار سے کم ان کا سرمایۂ سخن نہیں ہو سکتا
انہوں نے اپنی عدیم الفرصتی کا حال مثنوی "لیلیٰ مجنوں" میں خود کیا ہے۔

مسکین من مستمند و مدہوش
از سوختگی چو دیگ پر جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام
در گوشۂ غم نہ گیرم آرام
باشم ز برائے نفسی خود رائے
پیش چو خودی ستادہ بر پائے

یہاں ہمیں خسرو کی مثنویوں کا جائزہ لینا ہے۔ ورنہ ان کی غزل میں
تو ایسے ایسے نشتر پڑے ہیں کہ ساری فارسی شاعری میں نہیں ملیں گے۔

آفاق را گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یا

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

نظامی کی پانچ مثنویوں کا ذکر آچکا ہے۔ اس خمسے کا جواب بہت سے
شعراء نے دیا ہے لیکن فیصلہ یہی ہے کہ خسرو سے بہتر کسی نے نہیں دیا ہے۔ خسرو
کی مثنویوں کی تفصیل یہ ہے۔

قران السعدین ——— سب سے پہلی مثنوی ہے۔ تصنیف کے وقت

خسرو کی عمر ۳۶ سال تھی۔ اس میں بغرا خاں اور اس کے بیٹے کیقباد کی مراسلت اور آخر میں ان کا ملنا مذکور ہے۔

مطلع الانوار ـــــ نظامی کی مخزن الاسرار کے جواب میں ہے۔ ۳۳۱۰ شعر کی یہ مثنوی صرف دو ہفتے میں لکھی گئی۔ سال اختتام ۶۹۸ ہجری ہے۔ تصوف کے مضامین ہیں اور پنج گنج کے سلسلے کی پہلی مثنوی ہے۔

شیریں خسرو ـــــ رجب ۶۹۸ ہجری میں تمام ہوئی۔ ۴۱۲۴ شعر ہیں۔

آئینہ سکندری ـــــ سکندر نامہ کا جواب ہے۔ سال اختتام ۶۹۹ ہجری۔ اشعار کی تعداد ۴۴۵۰۔

لیلیٰ مجنوں۔ یہ بھی ۶۹۸ ہجری میں ختم ہوئی۔ ۲۶۶۰ شعر ہیں۔

ہشت بہشت ـــــ خمسے کی آخری مثنوی ہے۔ اور ہفت پیکر نظامی کا جواب ہے۔ ۷۰۱ ہجری میں تمام ہوئی۔ ۳۳۸۲ شعر ہیں۔ پورا خمسہ سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔ کل ۱۸ ہزار شعر ہیں۔ خمسہ نظامی میں ۲۸ ہزار شعر ہیں۔ یہ پانچوں مثنویاں خسرو نے تین برس کی مدت میں مکمل کیں۔

مفتاح الفتوح ـــــ سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سال اوّل یعنی ۶۸۹ ہجری سے ۶۹۱ ہجری تک کے حالات اس مثنوی میں ہیں۔ اس مصرع سے شروع ہوتی ہے۔

سخن بر نام شاہے کردم آغاز

نُہ سپہر ـــــ قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام پر ہے۔

نو باب ہیں۔ اور ہر باب جداگانہ بحر میں ہے۔ اسی مناسبت سے نہ سپہر نام رکھا گیا۔ اس کی تصنیف کے وقت امیر خسروؔ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ اسی میں کشور ہند سے متعلق ایک حصہ ہندوستان کی تعریف میں ہے۔ جس سے امیر خسرو کی حبّ الوطنی کا پتہ چلتا ہے۔

دیول رانی خضر خاں ——— علاؤالدین کے بیٹے خضر خاں اور گجرات کے راجہ کی لڑکی دیول رانی کا قصہ ہے۔ خضر خاں اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ ان کی شادی بھی ہوئی، الم ناک انجام بھی۔ مثنوی کا اصلی نام 'عشقیہ' ہے۔ اس میں بھی ہندوستان کی خوب تعریف ہے۔

تغلق نامہ ——— یہ غیاث الدین تغلق کی فتوحات سے متعلق ہے

مطلع الانوار میں سخن گسترانہ طور پر خسروؔ نے لکھ دیا۔

کوکبۂ خسرویم شد بلند
زلزلہ در گور نظامی فگند

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خسروؔ نظامی کا معترف نہیں تھا۔ غرۃ الکمال کے دیباچے میں صاف لکھا ہے کہ میں مثنوی میں نظامی کا پیرو اور شاگرد ہوں۔ اسی زمانہ کی تصنیف قران السعدین ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے:

نظم نظامی بہ لطافت چو در
وز در از سر بسر آفاق پر
پختہ از د شد چو معانی تمام
خام از د پختن سودائے عام

لیلیٰ مجنوں میں بھی نظامی کو اپنا استاد مانا ہے۔

زندہ است بہ معنی اوستادم
ور نیست منش حیات دادم

مطلع الانوار کی تعلّی محض شاعرانہ تفاخر تھی۔ اس میں حقیقت کا شائبہ نہیں۔ دادِ سخن دینے میں خسرو نے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ ایک مثال کافی ہے۔ فردوسی نے نقارہ کی آواز لفظوں سے پیدا کی ہے۔

ز نقّارہ آواز آمد برون
کہ دون ست دون ست گردون دون

خسرو تو موسیقی کے بھی بڑے ماہر تھے۔ انہیں 'دون' کے بعد 'است' بارِ گوش معلوم ہوا۔ انہوں نے ڈھول کی آواز ایک نعتیہ شعر میں یوں پیدا کی ہے۔ حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔

دُہل زن دُہل زد بہ تحسین او
کہ دین دین او دین او دین او

اس مختصر سے مضمون میں تمام مثنویوں کا جائزہ تو مشکل ہے۔ ان میں کیا نہیں مناظرِ قدرت رزم بزم، اخلاق و تصوف حسن و عشق۔ الغرض رنگا رنگ کے نیرنگ ہیں۔ پھر بھی کہیں کہیں سے مثالیں دے کر ان کے کمالِ سخنوری کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیلیٰ مجنوں میں ایک جگہ بیٹی سے خطاب کیا ہے اس زمانے میں بیٹیوں کی قدر و منزلت کم ہوتی تھی۔ لیکن خسرو کا ترقی پسندانہ نظریہ دلائل و براہین قاطع کے ساتھ دیکھیے۔

اے ز عفت فگندہ برقع نور
ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
کاش مادر تو ہم بچہ بودے
در رحم طفل ہشت مہ بودے
لیک چوں دادۂ خدای رواست
با خدا دادگان ستیزہ خطاست
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد
کانچہ او داد باز نتواں داد
پدرم ہم ز مادر است آخر
مادرم نیز دختر است آخر

آخری دلیل کا جواب نہیں۔ بیٹی کو نصیحت کرتے ہیں۔

دوک و سوزن گزاشتن نہ فن است
کالبت پردہ پوشی بدن است
پا بہ دامان عافیت سر کن
رو بہ دیوار و پشت بر در کن
در تماشائے روزنت ہوس است
روزنت چشم سوزن تو بس است

سینے پرونے کا درس اور تاک جھانک سے حذر کی تعلیم کس حسین پیرائے سے دی ہے۔

خسروؔ کی ماں نے ۶۹۸ ہجری میں انتقال کیا اور اسی سال ان کے بھائی حسام الدین راہیٔ ملکِ بقا ہوئے "لیلیٰ مجنوں" میں دونوں کا مرثیہ لکھا ہے۔

امسال دو نورِ اخترم رفت
ہم مادر و ہم برادرم رفت
یک ہفتہ ز بخت خفتہ من
گم شدہ دو مہ دو ہفتہ من

چوں مادر من بزیرِ خاک است
گر خاک بسر کنم چہ باک است
ہر جا کہ ز پائے تو غباری است
ما را ز بہشت یادگاری است
ذات تو کہ حفظ جانِ من بود
پشتِ من و پشت بانِ من بود

اڑتالیس سال کی عمر میں ماں کو یاد کرتے ہوئے بچے کی طرح بلک بلک کر روتے ہیں۔ بھائی سے بھی جب خطاب کیا ہے تو دریا خونِ جگر بہایا ہے۔ قران السعدین میں کیقباد کی زبان سے خضر خاں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ تخت و تاج باپ کا حق فائق ہے لیکن بیٹا اپنی فوقیت کس طرح جتاتا ہے۔

گر بہ گہر تاج ستانِ توام
عیب مکن گوہرِ کانِ توام
در ہوسِ تاج ترا در سر است
من گہرم تاج مرا در خور است
چوں سرم از تخت سرافراز گشت
تاج تو بر تارک من باز گشت
تختِ جہاں بہر تو سرپائے کرد
لیک بران تخت مرا جائے کرد

یہ مثنوی ۳۶ برس کی عمر میں لکھی تھی۔ اب باپ کا بے نظیر جواب بھی دیکھئے:۔

اے ز نسب گشتہ سرائے سریر
وز پسرے ہمچو پدر بے نظیر
گرچہ غبار است ز کارِ توام
سرمۂ چشم است غبارِ توام
تا تو نہ دانی کہ دریں گفتگوئے
از پے ملک است مرا گفتگوئے
گرچہ توانم ز تو ایں پایہ برد
از تو ستانم بکہ خواہم سپرد
شکر کہ شد زندہ در ایام تو
من ز تو و نام من از نام تو

بیٹے نے پھر جواب دیا :-

من کہ گلے رستہ از باغ توام
پرتوے از نورِ چراغ توام
تاج زمن سر ز تو افراختن
تاج ز تو تخت زمن ساختن

مثنوی شیریں خسرو میں شب عروسی کے ہیجان انگیز بیان کے بعد علم و دانش کی بات ہوتی ہے۔ ایک بزرگ ہیں "بنام امید" ان سے خسرو سوال کرتے ہیں۔ پہلا سوال اس دنیا کی پیدائش اور انتہا سے متعلق ہے جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے عقل اوّل ظہور میں آئی۔ اس سے واجب اور ممکن پیدا ہوئے۔ واجب سے عقول عشرہ کا بالترتیب ظہور ہوا۔ دسویں عقل فعّال ہے۔ ہستی امکانی سے تو آسمان پیدا ہوئے۔ پھر عناصر کا سوال ہے۔ کہتے ہیں کہ عناصر کس مادہ سے پیدا ہوتے ہیں تو جواب ہے کہ عقل یہ بات سمجھنے سے معذور ہے۔ پھر پانچوں عناصر کا ذکر آتا ہے۔ یعنی خاک، ہوا، پانی، آگ اور ایتھر۔ اور ان کی صفتیں بتاتے ہیں۔ ان میں آگ اور ہوا کا مرتبہ باپ کا ہے اور پانی اور مٹی کا ماں کا ہے۔ ان سے موالید ثلاثہ وجود میں آتے ہیں۔ جن کے نام معدن نبات اور حیوانات ہیں اور ان کی بہترین اولاد آدمی ہے۔ آدمی سے کیا مراد ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔

غرض گر ستھو نست و خوردو آشام
خر اں راہم توان کرد آدمی نام

اگر در سیم و زر کس تیر خنگ است
ستورے دان کہ زیر بار لنگ است
گرش گنج و درم باشد جہانی
چو در بینی او ہم محتاج نانی
چو ایں سرمایہ بنود با خرد جفت
نہ شاید بے خرد را آدمی گفت

خسرو نے مثنویوں میں علم و دانش کے جو خزانے بھر دیئے ہیں، ان کی تفصیل کوئی کہاں تک بیان کرے مثنوی "نہ سپہر" خسرو نے عمر کے آخری حصے میں لکھی ہے۔ یہ قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے دور سلطنت میں لکھی گئی۔ مبارک شاہ جب دکن کی مہم سے واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ عمّال حکومت در پۓ سازش ہیں اور ان کا سرغنہ علاؤالدین کا عم زاد بھائی ہے۔ اس نے جس پر بھی شبہ ہوا اسے قتل کروا ڈالا۔ حتیٰ کہ علاؤالدین کے تین بیٹوں، خضر خاں، شادی خاں اور فرید خاں کو بھی مروا ڈالا۔ یہ گوالیار کے قلعے میں قید تھے اور ملک نائب نے ان کی آنکھیں نکلوا دیں تھیں۔

"نہ سپہر" لکھنے پر مبارک شاہ نے خسرو کو ہاتھی کے ہم وزن سونا دیا وہ داد و دہش میں علاؤالدین سے بھی چار قدم آگے تھا اور شعراء اور ادیبوں کا قدردان تھا۔ خسرو نے اس انعام کا حال خود قطب الدین کی زبان سے لکھا ہے۔

بہ تاریخ ہمچو من اسکندرے
کند ہر کہ آرایش دفترے

ز گنج گراں مایہ بے شمار
دہم بار تبتش نہ آں پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل
کہ می داد زر ہم ترازوئے پیل
شناسد کسے کس خرد رہنموں
کہ از پیلہا راست وزنش فزوں

خسرو جواب دیتے ہیں :-

شہا گنج بخشا کرم گسترا
معانی شناسا سخن داورا
چنیں بخششے کز تو ہم یافتم
در ایام پیشینہ کم یافتم
کنوں لا مد از سخن سنج چو من
بہ اندازہ بخشش آمد سخن

اس مثنوی میں ایک باب کا عنوان کشور ہند سے متعلق ہے۔ اس میں ہندوستان کی تعریف کی گئی ہے اور بڑے فخر سے کہا ہے۔

دین ز رسول آمدہ کای زمرہ دین
حب وطن ہست ز ایمان و یقین

امیر خسرو مشترکہ تہذیب کے بڑے علم بردار تھے۔ وہ فارسی ترکی عربی ہندی اور سنسکرت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان کے ہندی کلام کے

باب میں جو لوگ شک کرتے ہیں وہ غرۃ الکمال کے دیباچے کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمالیں۔

"جزوی از نظم ہندی نیز نذر دوستاں کردم"

نہ سپہر میں سنسکرت دانی کے بارے میں لکھا ہے۔

من قدر بر سر ایں کار شدم

موسیقی میں کمال حاصل تھا اور نایک کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

ہندو پوجا اور اشنان میں مصروف تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے اس کا جواز پوچھا۔ مرشد نے کتنا اعلیٰ جواب دیا۔

ہر قوم راست راہی دینی و قبلہ گاہی

حضرت کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی، خسرو نے جواب میں کہا۔

ما قبلہ راست کردیم بر طرف کج کلاہی

نہ سپہر کے باب کشور ہندوستان میں ہندوستان کی برتری کے جواز میں دس حجتیں پیش کی ہیں۔ یہ مثنوی معاشرتی اعتبار سے ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہندوستان نے علم و فن میں سب ملکوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہاں دنیا کے مختلف ملکوں سے لوگ تحصیل علم کے لئے آتے ہیں۔ یہاں کے باشندے دنیا کی ہر زبان کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس ملک نے اور ملکوں کے مقابلے میں موسیقی میں سب سے زیادہ کمال حاصل کیا ہے۔ ہندوستان کی ایجادوں میں شطرنج جیسا کھیل ہے اور علم الحساب میں 'صفر' بھی یہاں کی ایجاد ہے۔ ہندوستان میں 'وید مقدس' جیسی قابلِ قدر تصنیف ملتی ہے جس میں مذہب، سیاست، معاشرت اور موسیقی

الغرض سب کچھ ہے۔ 'پنچ تنتر' یہیں کی تصنیف ہے۔ جس کا ترجمہ عربی، فارسی، ترکی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں ہوا ہے۔ آخر میں یہ کہا ہے کہ یہاں خسرو جیسا سحر البیان شاعر موجود ہے۔ یہاں کے میووں، درختوں، پرندوں، صنعت اور نہ جانے کس کس چیز کی تعریف کی ہے۔ آب و ہوا کے اعتدال کا ذکر کیا ہے کہ خراسان کی طرح یہاں بارہ مہینے برف نہیں رہتی۔ پرندوں میں شارک توتے اور مور کی بہت تعریف کی ہے۔ کچھ اشعار ان باتوں کے ثبوت میں ملاحظہ ہوں۔

اعتدال موسم —— نے چو خراساں کہ تن از برف فزوں
سرد پیاز سیت بدہ شفقہ دروں

بہار ہمہ سال —— چارم شان کیس طرف از سبزہ و گل
ہست ہمہ سال بہار و گل و مل

پان —— رست ہم آں کہ چوں تنبول گزیں
میوہ بناشد بہ ہمہ روئے زمیں

دیوگیری کپڑا —— نکو دانند خوبانِ پری کیش
کہ لطف دیوگیری از کتان بیش

(یہ شعر خضر خاں میں ہے)

مور —— گو نہ بہشت ہست ہمیں ہند چرا
از پے طاؤس جناں گشت مرا

ڈاکٹر تارا چند مرحوم نے لکھا ہے:۔

اپنے دیش کے چرندوں پرندوں ہوا پانی کے جنگل مرد اور عورتوں

کے رنگ روپ سے خسروؔ اس قدر متاثر تھے کہ بار بار ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور ان کے گن گانے سے تھکتے نہیں۔ لیکن یہ تو پھر سطحی چیزیں ہیں اور شاعروں کا دھیان اس طرف گیا ہے جو بات کم ملتی ہے وہ ہندوستان کی تہذیب و زبان اور مذہب سے تعلق رکھتی ہے جس طرز سے خسرو نے اس پر گہری نظر ڈالی ہے اور ایک بے لاگ مگر ہمدردی سے بھری ہوئی تنقید کی ہے اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔"

خسروؔ کی مثنویوں میں رنگا رنگ تصویریں ہیں۔ کوئی کہاں تک ان کا نقشہ کھینچے پنج گنج کے سلسلے میں جامیؔ نے بہارستان میں لکھ دیا تھا۔

بہارستانِ جامیؔ :-

امیر خسرو در شعر متشنی ست۔ قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نرسیدہ امّا غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطۂ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بہ حسب ذوق و وجدان خود را در می یابند۔ مقبول ہمہ کس افتادہ است۔ خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نہ گفتہ ورائے آں مثنوی ہائے دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع۔ (ہشت بہشت ص ۳۱۹)

لیکن نہ سپہر اور دوسری مثنویاں جو خمسے کے علاوہ ہیں خسروؔ کی عظمت کو اور بڑھاتی ہیں۔ چنانچہ تغلق نامہ" کی تفصیل دیکھئے اور ساتھ ہی عشقیہ کا اقتباس۔ اس سلسلے میں اس جائزے کو خسروؔ ہی کے اس مصرعے سے ختم کرنا پڑتا ہے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

تغلق نامہ :- جس زمانے میں امیر خسرو کی تصنیفات شائع کرنے کا اہتمام ہو رہا تھا شیفتہ کے صاحبزادے نواب اسحٰق خاں کو بڑا تاسف تھا کہ تغلق نامہ کا کوئی نسخہ نہیں مل رہا ہے اس پر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے حیاتی کاشی کا جہانگیر نامہ اپنے کتب خانے سے نکال کر پیش کیا۔ تجسس و تحقیق سے پتہ چلا کہ یہی تغلق نامہ کا مخطوطہ جس کی ابتدا میں حیاتی نے اپنی طرف سے صفحات ایزاد کر دیئے تھے۔ چنانچہ اس مثنوی کو مولوی رشید احمد صاحب انصاری نے بغور دیکھ کر ثابت کر دیا کہ یہی تغلق نامہ ہے انہوں نے مقدمہ بھی لکھا۔ اس درمیان میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں سید ہاشمی صاحب نے حیدر آباد سے اسے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ پہلے اوراق ضائع ہو چکے تھے۔ صرف حمد کے دو شعر باقی تھے اس مثنوی کے عنوان بھی نہ سپہر، قران السعدین، اور دیگر مثنویوں کی طرح منظوم ہیں۔

تاریخی اعتبار سے یہ مثنوی تمام مثنویوں سے بیش قیمت ہے۔ قطب الدین خلجی مبارک شاہ کی بد اعتدالیوں کے پیش نظر لکھا ہے کہ شراب عشق، جوانی، حکمت اور اقبال مندی ایسی ہوائیں ہیں کہ جس کے سر میں بھر جاتی ہیں اسے مستقبل کا کچھ ہوش باقی نہیں رہتا۔ لیکن بادشاہ کو عشق و مستی کی وجہ سے مدہوش ہو جانا کسی طرح مناسب نہیں۔

چو در ہر کس سپاس و ناسپاسی است
فراست دختر مردم شناسی است

مبارک شاہ نے حسن خسرو خاں کو نہ پہچانا۔ خود بھی قتل ہوا اور حسن خسرو خاں کا انجام بھی عبرت ناک ہوا۔ تاریخ کے صفحات ان واقعات سے خالی نہیں۔ لیکن تغلق نامہ ان حادثات کی تاریخ ہے۔ اور نام اور تاریخیں بڑی تفصیل سے لکھی ہیں۔ اس طرح غازی ملک یعنی غیاث الدین تغلق کے لئے دلّی کے تخت کی راہ کھل گئی۔ تغلق نامے کے مخطوطے اور عشقیہ کی مماثلت دیکھ کر مولوی رشید احمد انصاری پھڑک اٹھے تھے۔

ہمی گفت آسماں را آفتابش
ازاں بے بہرشد دینار خورشید
کہ سکّہ من شوم بہر خطابش
کہ دادو سکّۂ نام تو امید

گہر ہائے کہ گوہر پاش از امید
بنور چشم خوہ پرورد خورشید
گہر ہائے کہ ہر یک را از امید
بصد خونِ جگر پرورد خورشید

انہیں باتوں کو دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہی تغلق نامہ ہے۔

خسرو خاں نے قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے شاہزادوں اور شاہی خاندان پر جو ظلم وستم توڑے ان میں سے ایک واقعہ کا دردناک منظر اس طرح دکھایا گیا ہے۔

چنان است ایں حقیقت را استار است | کہ چوں بر قطب دیں رفت آنچہ حق خواست
زبعد آں سریر آرائے مرحوم | برادر پنج دیگر ماند مظلوم
یکے خانِ فرید اسم بلند اصل | کہ بود اصلش زدہ شد وصلِ بر وصل
دگر بوبکر خاں دیبا چۂ تخت | سزائے ملک گر یاری کند بخت
علی خانِ گرامی ہشت سالہ | جبینے چوں گل در وئے چو لالہ
بہا خاں ہم بہشتم سالِ نو خیز | بثلث دوم قرآں ورق بیز

چنیں شہزادگاں ناز پرورد | کہ چرخ از بہر ملک انباز پرورد
اشارت کرد خسرو خانِ کم بخت | کہ ہر شہزادگاں کارے رود سخت
زپنجم سال عثماں بہرہ ور بود | ہنوز از جمعِ قرآں بے خبر بود
بہ بازی ہائے نوزاداں ہوس ناک | زلوحِ کاف و نوں لوحِ دلش پاک

گو سلطان کے پانچ بھائی رہ گئے تھے۔ وہ بھی خسرو خاں کے حکم سے قتل کردئے گئے۔ اس طرح یہ مثنوی تاریخی واقعات کی جزئیات سے پر ہے۔

اسی طرح دردناک واقعات کا بیان 'عشقیہ' میں سلطان علاؤالدین کی وفات اور خضر خاں کے قتل کے سلسلے میں کیا ہے۔ امیر خسرو جہاں دنیا کی ناپائداری کا ذکر کرتے ہیں وہاں بھی خوب دل ہلا دینے والی باتیں کہتے ہیں۔ ان کا ہر شعر موقع عبرت ہوتا ہے۔ مختصراً ان اقتباسات کو دیکھئے۔

علاؤالدین کی وفات :۔

گرت در سینہ چشمے ہست روشن
بصیرت بیں دریں پروزہ گلشن
ازیں گلہا کہ بینی گلشن آباد
برنگ و بوئے چوں طفلاں مشو شاد
کہ بادِ تند ایں خاکِ خطرناک
چنیں گلہا بسے کردہ است خاشاک
نگر تا چند گلبن تازہ بہ شگفت
کہ از یک صدمۂ وے بر زمیں خفت

چہ ابر تختِ عاج آنکس نہد تاج
کہ زیرِ تختۂ گل خواست شد عاج
خرد بیند چو گردد استخواں سنج
کہ شاہِ راستیں شد شاہِ شطرنج
مبیں کامروز ماندش استخواں چیز
کہ فردا خاک گردد استخواں نیز
چو اول خاک و آخر نیز خاکیم
چہ چندیں بہر خاکے سینہ چاکیم
چہ ابا ید گرفت آں کشور و شہر
کزاں ندہند بیش از چار گز بہر

خضر خاں عوام کا محبوب تھا۔ خوش جمال تھا۔ فاسد اور حُساد اس کے درپئے آزار تھے۔ پہلے گوالیار کے قلعے میں قید کیا۔ پھر ملک نائب نے آنکھیں نکلوا دیں۔ مبارک شاہ نے قتل ہی کروا ڈالا۔ دنیا کی ناپائداری سامنے آگئی اور اس عارضی جاہ وحشم کی حقیقت کھل گئی۔ عشق کی شورانگیزی کا بھرم بھی جاتا رہا۔

شرابِ عشق بازاں آب تیغ است
بہر عاشق چنیں آبے دریغ است
چو بہر دوست دل را شد عناں گیر
نہ از شمشیر بیم آید نہ از تیر
جمال و شوق تا در دل بکازند
خبر کے باشد او خنجر گزارند
کسے کو سر نہد در پائے خوباں
سرش بگریزد از تن پائے کوباں
چو مرغے شد بہ مہمانی ہوس ناک
ز خونِ خود دہد مہمانئ خاک

اس طرح یہ حزنیہ ختم ہوا۔ دول رانی یا دیول دیوی کا حال دیکھئے۔ ماں سے الگ ہوئی۔ باپ کے ساتھ دیوگیر پہونچی۔ وہاں بھی اماں نہ ملی۔ آخر شاہی حرم میں آئی اور خضر خاں کے ساتھ شادی ہوئی۔ خضر خاں مارا گیا تو مبارک شاہ اُسے اپنے حرم میں لے آیا۔ وہ بھی کتنے دن جیا۔ ؏ ہمیشہ رہے نام اللہ کا
اب ذرا ہشت بہشت کی شان بھی دیکھئے۔

اپنی چار مثنویوں کا ذکر کر کے ہشت بہشت کا ذکر کرتے ہیں

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف | تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف
دادی اوّل بگنبدِ دوّار | روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آں گاہ بانشاطِ تمام | شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خردمندی | شورِ مجنوں و لیلیٰ افگندی
پس وہاں پُر دُرِ درے کردی | شرحِ رازِ سکندری کردی
ایں زماں کز جواہر انجم | می نگاری صحیفۂ پنجم
اس نویسم ز کلکِ مشک سرشت | نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گذر یابد | بے قیامت بہشت در یابد

در شکر گذاری تعالیٰ

شکر حق را کہ از خزانۂ غیب | ریخت چنداں جواہرم در جیب
کہ ازاں نقدِ قیمتی بسہ سال | کردہ ام پنج گنج مالا مال

منظر نگاری کا کمال دیکھیے:

صبح

بامداداں کہ صبح جامہ سفید | پردہ برداشت از رخِ خورشید
گنبدِ آسماں چو شد بے دود | گشت روشن جہانِ زر اندود
آسماں چوں ز چشمۂ خورشید | کرد پیراہنِ زمانہ سفید
شاہ انجم برسم ہر روزہ | چوں بر آمد بہ تخت فیروزہ

شب

شب چو دریائے چرخ بزد زنگ　　چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
چوں جہاں رخ نمود در پرِ زاغ　　شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر　　پرِ طاؤس باز کرد سپہر
چرخ چوں زلفِ شب فگندہ بدوش　　ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

موازنہ

ہفت پیکر نظامی		ہشت بہشت خسرو
اے جہاں دیدہ بود خویش از تو ہیچ بودے نبود پیش از تو آفرینندۂ خزانۂ جود مبدع و آفرید گارِ وجود	حمد	اے کشانیدۂ خزانۂ جود نقش پیوند کارگارہ وجود بودنی را ہمیشہ بود از تو بود نابود را وجود از تو
نقطۂ خطِ اوّلیں پرکار خاتمِ کارِ آفرینش کار نوبرِ باغِ ہفت چرخِ کہن دُرۃ التاجِ عقل و تاجِ سخن	نعت	روشنائی دہِ چراغِ یقیں نورِ پیشیں و شمعِ باز پسیں نورِ او کز سپہر صد چند ست مہ شگاف و سپہر پیوند ست انبیا پیش آں خجستہ چراغ طفلِ گہوارہ در مقامِ بلاغ

نظامی بے شک نظامی ہے اور منفرد لیکن خسرو کسی طرح کم نہیں۔ ایسے ایسے شعر اس کے یہاں بے شمار ہیں جو تا ابد لاجواب رہیں گے۔ مثلاً

گوش کے سرّ غیب را سنجد　　　بحر اندر صدف کجا گنجد

مدحِ شاہ ــــــــ

کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز　　　داد بخشش گناہگاراں نیز
نوک پیکانش در مقام ہنر　　　بردہ داغ کلف ز روئے قمر
فتح برخاکِ پائے او زدہ فرق　　　فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

ہشت بہشت میں بیٹی کے نام نصیحت ہے۔

اے رُخ تو چشم و چراغِ دلم
خوب ترین میوہ ز باغِ عالم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند
نے ز تو در دیدہ بہتر اند
گاہ تماشا بدلِ باغباں
سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود
بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد
نامِ تو مستورۂ میموں نہاد

امیر خسرو کا ہندی کلام

بعض محققین جو خود ہندی زیادہ نہیں جانتے اس بات پر بضد ہیں کہ خسرو کے نام سے جو ہندی کلام منسوب ہے وہ خسرو کا نہیں۔ بالخصوص خالقِ باری۔ ان کے پیش امام پروفیسر محمود شیرانی ہیں جن کو پرانے قلعے مسمار کرنے کا شوق بھی تھا اور اس فن میں مہارت بھی تھی۔ چنانچہ "پنجاب میں اردو" ان کا ایک ایسا ہی کارنامہ ہے۔ خالقِ باری کے سلسلے میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے۔ البتہ جو اسے امیر خسرو کا کلام کہتے ہیں ان کے دلائل رد کئے ہیں۔ جن میں سکہ (جیتل) کے لفظ کا استعمال بھی ہے۔ انہوں نے متعدد مثالیں دی ہیں کہ یہ سکہ امیر خسرو کے عہد کے بعد بھی رائج تھا۔ خالق باری معروف بہ حفظ اللسان کو جہانگیری عہد کے کسی خسرو کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ جن کا نام نامی ہے ضیاء الدین خسرو۔ یہ تصنیف ۱۰۳۱ھ میں ہوئی۔

یہ مخطوطہ شیرانی صاحب کو مولوی عبد الحق مرحوم سے ملا۔ اس سے ساری بحثیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ خالق باری میں کئی جگہ ساقط البحر اشعار بھی ہیں۔ عربی، فارسی مترادفات بھی بے سمجھ بوجھ کے دئے ہیں۔ ہم معنی الفاظ کو بار بار ایک ہی ہندی لفظ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ شیرانی صاحب کو شبہ یہی تھا کہ امیر خسرو جیسا قادر الکلام آدمی اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتا۔ کتاب کے ساتھ مصنف

مختصر سا دیباچہ بھی دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسحٰق بابا حلوائی کی فرمائش پر بچوں کو فارسی سکھانے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی۔ "تصنیفِ آخر" سے سنِ تصنیف نکلتا ہے۔ یعنی سنہ ۱۰۳۱ھ۔ مخطوطہ ۱۰۸۷ھ کا سورت کا ہے۔

رہی امیر خسروؔ کی ہندی شاعری تو اس طرح کے کھیل امیر خسرو کرتے ہی رہتے تھے۔ نصاب بدائع العجائب دیکھیے۔ اعجاز خسروی کی ورق گردانی کیجیے۔ دیوان نہایۃ الکمال کی پہیلیاں دیکھیے۔ جس شخص کا گوشت پوست ہی صنائع اور بدائع سے معمور ہو وہ ہندی میں ایسی دلچسپ نظم یا نظمیں لکھدے تو کیوں تعجب کیا جائے۔ اردو کو تو لشکری زبان ماننے میں ہمارے محققین پس وپیش نہیں کرتے۔ رہا زبان کا مسئلہ تو امیر خسروؔ سے ایک سو سال پہلے چندر بردائی کی مشہور نظم پرتھوی راج راسو میں ایسے ٹکڑے ملتے ہیں جو ایسی سہل زبان کا نمونہ ہیں۔ کہنے والے اس نظم کو بھی پرتھوی راج کے عہد کی تصنیف نہیں مانتے۔

اگر امیر خسروؔ سے سو برس پہلے یہ زبان ہو سکتی ہے اور تھی کیوں کہ سہل زبان کے ٹکڑے چندر بردائی میں کئی ہیں تو خسروؔ کی زبان کو بھی مان لینا چاہیئے۔ یہ کہنا کہ چندر بردائی کا موجودہ متن بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں قابلِ یقین ہو سکتا ہے لیکن اصل کتب پرتھوی راج کے عہد کی ہے۔

غرۃ الکمال کے دیباچے میں خسروؔ نے صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ہندی نظم کہی تھی لیکن چوں کہ ان کی نظر میں اس کی خاص اہمیت نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے ہندی کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ بلکہ دوستوں میں تقسیم کر دیا (اصل عبارت فارسی میں ہے)

"جزوے چند نظم ہندوی نیز نذر دوستان کردہ شدہ است"
ایں جاں ہم بدیگوے بس کردم و نظر بوند است کہ نفظ ہندوی
در پارسیٔ لطیف آوردن چنداں لطفے ندارد مگر بہ ضرورت آں
جا ضرورت آوردہ شد"

اب دیکھئے ان کی پہیلیاں کہ مکرنیاں دوسخنے وغیرہ۔ دوہے تو صرف دو ہیں۔

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرو من پیئو کو دو ر بھئے اک انگ

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چھوں دیس

اب بھی امیر خسرو کا عرس اسی دوہے سے شروع ہوتا ہے۔

وجاہت علی سندیلوی صاحب نے اپنی کتاب خسرو کی شاعری میں ایک اور دوہا دیا ہے۔

شیام سیت گوری لے جنمت بھئی انیت
ایک پل میں پھر جات ہیں جوگی کا کے میت

یہ دوہا میری نظر سے نہیں گزرا۔

بوجھ پہیلیاں

ادھر کی آوے ادھر کی جاوے
ہر ہر پھر کاٹ وہ کھاوے

سر رہتی جس دم وہ ناری   خسرو کہے ڈرے کہ آری

آگ

پون چلت وہ دیہہ بڑھاوے   جل پیوت وہ جیو گنواوے
ہے وہ پیاری سندر نار   نار نہیں پر ہے وہ نار

آئینہ

فارسی بولی آئی نا   ترکی ڈھونڈی پائی نا
ہندی بولوں آرسی آئے   خسرو کہے کوئی نہ بتائے

بڑی

ٹوٹی ٹوٹ کے دھوپ میں پڑی   جوں جوں سوکھی ہوئی بڑی

دیا

بالا تھا جب سب کو بھایا   بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں   ارتھ کرو نہیں چھوڑو گاؤں

لوٹا

گول مول اور چھوٹا موٹا   ہر دم وہ تو زمین پہ لوٹا

خسرو کہے یہ نہیں ہے چھوٹا　　جو نا بوجھے عقل کا کھوٹا

موری

ساون بھادوں بہت چلت ہے　　ماگھ پوس میں تھوری
امیر خسرو یوں کہے　　تو بوجھ پہیلی موری

ناخن

بیسوں کا سر کاٹ لیا　　نا مارا نا خون کیا

بنولی

ایک نار تر ور سے اتری ماسوں جنم نہ پایو
باپ کو ناؤں جو واسے پوچھا آدھو ناؤں بتایو
آدھو نام بتایو خسرو کون دیس کی بولی
واکو نام جو پوچھوں میں نے اپنے ناؤں نہ بولی

بن بوجھ پہیلیاں

آرسی

جھلمل کا کنواں رتن کی کیاری　　تباؤ تو بتاؤ نہیں دوں گی گاری

آسمان

ایک تھال موتیوں سے بھرا — سب کے اوپر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھالی بھرے — موتی اس سے ایک نہ گرے

بدلی

ایک نار نورنگی چنگی وہ نار کھاوے — بھانت بھانت کے کپڑے پہنے لوگوں کو ترساوے

بُھٹّا

ایک تو در کا پھل ہے نر — پہلے ناری پیچھے نر
وا پھل کا یہ دیکھو حال — باہر کھال اور بھیتر بال

چراغ کی بتی

ایک راجا کی انوکھی رانی — نیچے سے وہ پہوںچے پانی

الیضاً

ایک نار نے اچرج کیا — سانپ مار پنجرے میں دیا
جوں جوں سانپ تال کو کھاوے — تال سوکھ سانپ مرجائے

چکّی

ایک ناری کے دو بالک — دونوں ایک ہی رنگ

ایک پھرے اک ٹھاڑا رہے — پھر بھی دونوں سنگ

بجلی

ہے وہ ناری سندر نار — نار نہیں پر ہے وہ نار
دور سے سب کو چھب دکھلاوے — ہاتھ کسی کے کبھو نہ آوے

ایسی پہیلیوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ بیربل کے لطیفوں کی طرح ان کی تعداد عہد بہ عہد بڑھتی گئی۔ کچھ پہیلیاں تو بڑی حد تک فحش ہیں جو خسرو جیسے ثقہ آدمی کی نہیں ہو سکتیں۔ چوڑیاں ان میں ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ پہیلی اس قابل نہیں کہ صفحۂ قرطاس پہ لائی جائے۔

کہ مکرنیاں

آم۔

برسا برس وہ دیس میں آوے — کرے سنگار تب چوما پاوے
من بگڑے نت راکھت مان — اے سکھی ساجن نا سکھی آم

میری خاطر بجارے آوے — کرے سنگار تب چوما پاوے
من بگڑے نت راکھت مان — اے سکھی ساجن نا سکھی پان

ان کی تعداد بھی ستر بہتر کے قریب ہے لیکن زیادہ تر الحاقی ہیں۔ مثلاً حقے کی کہہ مکرنیاں ہیں۔ حقہ اس زمانے میں ہوگا ہی نہیں۔

پھر دو سخنے انمل وغیرہ ہیں۔ جنہیں کوئی ذہین آدمی ہی وضع کرسکتا ہے۔ سب سے مشہور تو وہ فارسی ہندی آمیز غزل ہے جسے سب نے خسرو کو تسلیم کیا ہے۔ بحر اور بینت بازی میں موسیقی نمایاں ہیں۔

ز حالِ مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم بہ برد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گویاں لبش آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب۔ خسرو
پیت من کی دوائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کی گھتیاں

دو غزلوں کو پروفیسر محمود شیرانی نے پروفیسر سراج الدین آذر کی بیاض سے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں نقل کیا ہے اور ساتھ ہی شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ خسرو کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ناطق فیصلہ تو کوئی دے

نہیں سکتا۔ ہاں شبہ کرنا ہر محقق کا فرض ہے۔ اور شیرانی مرحوم تو اس فن میں یگانہ تھے۔ اگر وہ ان کی غزلیں تسلیم نہیں کرتے تو درج کرنا کیا ضرور تھا۔ اصل میں وہ اتنے بڑے محقق تھے کہ جو نئی چیز مل جائے اسے چھوڑتے نہیں تھے۔ خواہ بعد میں یہ کہنا ہی پڑے کہ یہ مصدقہ نہیں۔ اسی طرح وارث شاہ کی ایک غزل بھی اس کتاب میں شائع کی ہے اور وہ پیسہ اخبار کے مدیر مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے نقل کی ہے۔ لیکن کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے کہ وہ جعلی ہے یا اصلی۔ فردوسی کا کلام پیش کیا ہے۔ بس اتنا لکھا ہے کہ مشکل سے حاصل کیا ہے وہ شکل کیا تھی اس کی تفصیل نہیں۔ یہ باتیں اس مضمون سے متعلق نہیں لیکن مجھے یہ دکھانا مقصود ہے کہ شیرانی صاحب کے مرتبے کا احترام کرتے ہوئے بھی یہ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اسے جانچنے اور پرکھنے کا سب کو حق پہونچتا ہے۔ محض ان کے نام سے مرعوب ہونا درست بات نہیں۔

خسروؔ کے کلام ہندی پر شک و شبہ نہ کرنے کا جواز اس سے تقریب قریب ایک سو سال پہلے کی تصنیف پرتھوی راج راسو ہے جسے شیرانی صاحب نے بعض وجوہ کی بنا پر سترھویں یا سولھویں صدی کی تصنیف قرار دے دیا ہے۔ یہ نہ سوچا کہ راجپوتوں کے اس مقبول تاریخی منظوم قصے میں افسانہ شامل ہوتا چلا گیا اس لئے اس میں ایسی باتیں داخل ہو گئیں جن کی بناء پر قصے کی اصل تاریخ ہی بدل ڈالنے کا دھوکا ہوا۔

جناب مسعود حسین خاں نے اپنی کتاب مقدمۂ تاریخِ زبانِ اردو میں لکھا ہے کہ پرتھوی راج راسو کے ساتھ ساتھ وجے پال راسو، ہمیر راسو، کیرتی لتا، اور کیرتی

پتا کا بھی پرانی کتابیں ہیں اور پرانی ہندی کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ انہوں نے بدھ سدّھوں کے ۳۳ء ۷۰ تک کے نمونے دیئے ہیں جن میں 'بسا کرو' 'جہی من یوں نہ سیجری' 'دیئر مے کے ٹکڑے آتے ہیں۔ ایک جگہ 'گھور اندھارے' بھی ہے۔ مغل کی شکل ۳۳، ۶ سے ایک گرنتھ سے پیش کی ہے۔

ڈٹ کری اتھا سوہ پری مان
لوہ بھئی گرہ پوچھیتا خان

پھر ۳۳۰۸ء میں دیکھیا، بھیا، ماریا، ماضی کی علامتوں کی نشان دہی کی ہے۔ چودھویں صدی کے نصفِ اوّل میں گورو گورکھ ناتھ یا اس کے پیرووں کا کلام ہے۔

سوامی تم ہی گورو گرسائیں
اکھے جے سکھ سبداک بوجھیا

پرتھوی راج راسو بھی ڈھائی ہزار صفحوں کا گرنتھ ہے۔ اس میں ۶۹ ابواب ہیں مانا کہ اس کی زبان برج اور راجستھانی سے مرکب ہے۔ پھر بھی دلی کے اردگرد کی زبان کا کچھ نہ کچھ شائبہ اس میں بھی مل جاتا ہے۔ اسی زمانے کا پرتھوی راج کی بہن پرتھا بائی کا خط دستیاب ہوا ہے جس پر سمبت بھی درج ہے اس کی زبان دیکھئے۔ "سری حضور سمر (جنگ) میں مارے گئے اور ان کے سنگ رشی کیش بھی بیکنٹھ پدھارے ہیں۔ رشی کیش جی ان چار لوگوں میں سے ہیں جو دلی سے میرے سنگ دہیز میں آئے تھے۔ اس لئے ان بنسجوں کی کھاتری راکھنا۔"

اب اس خط کی زبان کو ملاحظہ فرمائیے یہ بڑی صاف اور دلی کی کھڑی بولی

ہے۔ اس میں راجستھانی عنصر عشر عشیر کے برابر ہے تو پھر خسرو کی شاعری کی زبان پر کیوں شک کریں۔ وہ تو ضلع ایٹہ کا رہنے والا تھا۔ اس کے یہاں راجستھانی اثرات کیسے آجاتے۔ اس کی ماں ہندوستانی عورت تھی۔ نانا راوت تھے۔ یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ بہت سا کلام خسرو کے نام اس کے اصل ہندی کلام میں داخل ہوگیا ہے۔ اب امتدادِ زمانہ سے جو ہوا اس کے اثر کو دور کون کرے۔ روایت کبھی کبھی تھوڑی بہت اصلیت کی بنیاد پر بھی کھڑی ہوتی ہے یہ جانتے ہوئے کہ خسرو ہندی جانتے تھے، ہندی میں شعر کہتے تھے، انھوں نے ہندی کو دری (فارسی) سے کم تر نہیں مانا اور ہندوستان سے انہیں محبت تھی۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ خسرو کے نام سے جو ہندی کلام مروّجہ ہے وہ خسرو کا نہیں، زیادتی ہی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ نہیں مانتے کہ یہ اس کا ہے اور یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ اس کا نہیں ہے تو خاموشی بہتر ہے۔ یا یہ کہ دوہے کہ مکرنیاں اور پہیلیاں ایجاد زمانۂ مابعد خسرو ہیں کیونکہ حقنے اور اس قسم کی چیزوں کا نام آگیا ہے۔ اب ذرا ہندی والوں سے سنئے پرتھوی راج راسو کی بات۔

جے پور یونیورسٹی کے ڈاکٹر ماتا پرساد گپت نے پرتھوی راج راسو کا متن مع شرح ۱۹۶۳ء میں پانچ سال لگاتار محنت کرکے شائع کیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا ایک طالب علم ان کی نگرانی میں اس موضوع پر کام کر رہا تھا لیکن مکمل متن کی تدوین نہ تو اس کے دائرۂ عمل میں تھی نہ حیطۂ امکان میں۔ موصوف نے ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں، لائبریریوں اور افراد سے جتنے مخطوطے راج راسو کے مل سکے منگوائے۔ اس کے بعد ایک مفصل و مشرح نسخہ شائع کیا۔ وہ اسے

چندر بردائی کا کلام مانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ باتیں تاریخی اعتبار سے درست نہ ہوں جیسے پرتھوی راج کی آنکھیں نکال کر اسے غزنین لے جانا اور وہاں چندر بردائی کا یوگی کے بھیس میں پہنچنا۔ روایتی انداز ہے۔ غوری کا ہلاک ہونا اور ساتھ ہی پرتھوی راج کا خاتمہ۔ لیکن ویر گاتھاؤں میں داستانوں کا رُخ جزوی طور پر تاریخی، اور قیاسی ہونا کوئی غیر اغلب بات نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ تصنیف کب کی ہے تصنیف قطعی طور پر اسی عہد کی ہے جب غوری کا حملہ ہوا اور پرتھوی راج کو شکست ہوئی۔ حسب ضرورت فارسی و عربی کے الفاظ آتے ہیں جیسا بادشاہ، فرمان، وغیرہ یہ بات قطعی قابلِ قبول نہیں کہ دس فیصدی الفاظ ایسے ہیں۔ زبان میں ہندی اسماء افعال و صفات بھی الفاظ ملتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ مجموعی حیثیت سے راجستھانی اور برج کا امتزاج ہے۔ شیرانی صاحب نے راج راسو پر جو اعتراض کئے تھے وہ ذرا بعد میں گہری تحقیق مانگتے تھے۔ ان کے بعد وہ گتھیاں اب سلجھ رہی ہیں۔ ان باتوں کے پیشِ نظر پرتھوی راج راسو کو اگر خسرو کی ہندی شاعری کا پیش خیمہ لسانی اعتبار سے مان لیا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔

خود شیرانی صاحب نے پنجاب میں اُردو میں شیخ فرید الدین گنج شکر کی ایک نظم درج کی ہے اور اس پر معترض نہیں ہوئے۔ (متوفی ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء)

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے — خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
با دمِ خود ہمدم ہشیار باش — صحبتِ اغیار بُری بات ہے
با تنِ تنہا چہ روی زیں زمیں — نیک عمل کن کہ وہی بات ہے

پندِ شکر گنج بدل و جاں شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

یہ تو خسرو سے بھی پہلے ہوئے ہیں۔ فارسی آمیز اردو کا بہت اچھا نمونہ ہے اب خسرو کی غزل "زحالِ مسکیں مکن تغافل......." کو کیوں خسرو کی تصنیف کہنے سے احتراز کیا جائے۔

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے

نام دیو خسرو کی وفات کے تین سال بعد ہی پیدا ہوئے تھے۔ اتنا زمانی فرق لسانی معاملات میں زیادہ فرق نہیں۔ ان کی زبان کی صفائی دیکھئے۔

مائی نہ ہوتی، باپ نہ ہوتے، کرم نہ ہوتا کایا
ہم نہیں ہوتے تم نہیں ہوتے، کون کہاں سے آیا
چندر نہ ہوتا سور نہ ہوتا، پانی پون ملایا
شاستر نہ ہوتا وید نہ ہوتا کرم کہاں سے آیا

من میرا سُئی تن میرا دھاگا
کھیچر جی کے چرن پر نامہ سینی لاگا

قریب قریب کھڑی بولی کی شاعری ہے۔ خسرو بیچارے نے کیا قصور کیا ہے۔ نام دیو تو مہاراشٹر کے تھے اور خسرو اتر پردیش کے۔ حاصل مطلب

یہ کہ خسرو کے موجودہ صورت کے ہندی کلام کو یک قلم ٹھکرا دینے کے وجوہ پائیدار نہیں۔ خسرو کا کوئی قدیم مخطوطہ نہیں ہے۔ تو اس طرح تو بہت سے ہندو گرنتھ قدیم زمانے سے سینہ بہ سینہ چلے آئے ہیں اور ان کے مخطوطے بہت بعد میں بنے۔ اُس نے خود کہہ دیا کہ میں نے ہندی نظم کہی تو ہے لیکن "نذرِ دوستاں" کر دی۔ اب اُسے دوست ایسے مِل رہے ہیں جو اس نظم کو خسرو کی ملکیت ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ببانگِ دُہل کہتے ہیں کہ اس کی موجودہ شاعری اس کی اصل ہندی شاعری نہیں ہے۔ نام دیو اور شیخ گنجِ شکر کی شاعری سے کیوں انکار نہیں کرتے!

ماہرِ موسیقی

امیر خسروؔ کی مہارت موسیقی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ایک قطعے میں جو مطرب سے مکالمے کی صورت ہے خود ہی فرمایا ہے۔

پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں بہتر بود

اس کے بعد کا شعر مروجہ دیوان میں تو نہیں لیکن بعض قلمی نسخوں میں موجود ہے۔

نظم را کردم سہ دفتر رو بہ تحریر آمدی
علم موسیقی سہ دیگر بود اگر باور بود

یہ تو خسروؔ کے اپنے قول سے ثابت ہو گیا کہ وہ موسیقی کے باب میں بھی صاحبِ تصانیف ہیں۔ یہ تصانیف تحریری ہیں یا ایجاداتِ ساز و آہنگ اس کے باب میں قطعی شہادت نہیں ملتی۔ جو کچھ ہے وہ محض روایت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کو 'نایک' کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ یہ موسیقی کی دنیا میں بہت اونچا القاب یا درجہ تھا۔ نایک گوپال سے آپ کے مقابلے کا ذکر بھی روایتی طور پر آتا ہے۔ لیکن قرینِ قیاس نہیں۔ بقول پروفیسر وحید مرزا اس زمانے کی کتب میں کسی نایک گوپال کا نام نہیں ملتا۔

اس بات پر تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ خسرو ایرانی اور ہندوستانی دونوں طرح کی موسیقی پر قدرت رکھتے ہوں گے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں ان کی موسیقی سے رغبت یا محبت کا پورا پتہ چل جاتا ہے۔ فردوسی نے نقارے کی آواز شعر میں باندھی تھی تو آپ نے "دہل" کی آواز ایک نعتیہ شعر میں اس طرح باندھی کہ موسیقی کی نظر سے دیکھا جائے تو خسرو اس فن کے بہتر ادا شناس ہیں۔

دہل زن دہل زد بہ تحسین او
کہ دیں دین او دین او دین او

مولانا آزاد نے امیر خسرو کے دو قصے نقل کئے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد شام کو ایک مہمان جاتے ہی نہیں تھے۔ خسرو نے حسب فرمائش آدھی رات کی نوبت کی توضیح میں یہ قطعہ سنایا۔

نان کہ خوردی خانہ برو، نان کہ خوردی خانہ برو خانہ برو
نان کہ خوردی خانہ برو نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو خانہ برو

دوسری نقل دُھنیئے کی ہے۔

در پئے جاناں جاں ہم رفت، جاں ہم رفت جاں ہم رفت، رفت رفت جاں ہم رفت
ایں ہم رفت و آں ہم رفت آں ہم رفت آں ہم رفت ایں ہم آں ہم ایں ہم آں ہم آں ہم رفت

آپ موسیقی میں باکمال نہیں ہوتے تو ایسے دل پسند چٹکلے کیسے بناتے۔
ایرانی موسیقی والوں نے اس کے بارہ مقام مقرر کئے ہیں۔ وہ ایک رباعی میں

بڑی خوب صورتی سے آئے ہیں۔

راست[1]، عشاق[2] بوسلیک[3] بساز | بانوا[4] اصفہاں[5] بزرگ[6] نواز
کوچک[7] استاد عراق[8] زنگولہ[9] | پس حسینی[10] و دراہوئے[11] و حجاز[12]

خسرو ایرانی موسیقی سے خوب واقف تھے۔ کشلو خاں اور بغرا خاں سے ان کی وابستگی کا قصہ کتاب میں پہلے بھی آ چکا ہے۔ یہ خوش الحانی سے شعر خوانی کر رہے تھے کہ بغرا خاں نے انہیں سکۂ زر سے بھرا ایک لگن انعام میں دیا۔ کشلو خاں کو بُرا لگا کہ میرا مصاحب کسی دوسرے سے انعام قبول کرے۔ جو لوگ اس محفل میں تھے ترک ہی تھے اور اغلب یہی ہے کہ ایرانی موسیقی ہی وہاں اپنا رنگ جما رہی ہو گی۔

ہندوستانی موسیقی ایرانی موسیقی سے قدیم تر ہے۔ سام وید اسی علم کا خزانہ ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک فنون لطیفہ کی یہ شاخ اتنی پرانی ہے کہ اس کا سلسلہ ابتدائے آفرینش تک لے جایا جاتا ہے۔ مہادیو اور برہما دونوں رقص و موسیقی کے ماہر بلکہ جنم داتا سمجھے جاتے ہیں۔ برہما کی شریکِ حیات سرسوتی ہے اور اس کا نشان 'وینا' یعنی سازِ موسیقی ہے۔

ہندوستان میں بے شمار چھوٹے بڑے مختلف اندام و اشکال کے ساز ایجاد ہوئے ہیں۔ چونکہ یہاں کے لوگ قدیم وضع مشکل سے چھوڑتے ہیں اس لئے ان کے سازوں کی آوازیں اب بھی قدیم وضع کی ہیں۔ ہندی راگ کے موجدوں نے سات سُر قائم کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی

اسے سرگم کہتے ہیں۔ اگر "ساز" کو اکائی مان لیا جائے تو "رے" کا امتدادِ صحت دگنا اور اسی طرح آگے بڑھتا جائے گا۔ انہیں الفاظ سے مزید توضیح یوں نکالی ہیں۔

سرج۔	مور کی آواز
رکھب۔	پپیہے کی آواز
گندھار۔	بکری کی آواز
مدّھم۔	کلنگ کی آواز
دھیمت۔	مینڈک کی آواز
پنچم۔	کوئل کی آواز
نکھاد۔	ہاتھی کی چنگھاڑ

آج کل گویّوں کو تقریباً سو راگ معلوم ہیں۔ شمالی ہند کے مقبول راگ یہ ہیں۔

دھرپد، خیال، ٹپّہ، ٹھمری، غزل، ہولی، ترانہ اور چترنگ

امیر خسروؔ باکمال انسان تھے۔ انہوں نے یہاں کی موسیقی میں بھی کمال پیدا کیا۔ فیقر الہد نے سنسکرت کی کتاب مان کتوہل کا ترجمہ کر کے کتاب کا نام راگ درپن رکھا۔ اس میں خسروؔ کے ایجاد کردہ راگوں کی فہرست کو شبلی نے شعر العجم میں درج کیا ہے۔ وہ فہرست یہ ہے۔

مجیر - غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے۔

سازگاری - پوربی، گوراکنگلی اور ایک فارسی راگ۔

زمزمہ سازگری دعراق۔ اس کا ذکر قران السعدین میں آتا ہے۔

ائین - ہنڈول اور نیریز۔

عشاق ۔ سارنگ اور بسنت نوا ۔

موافق ۔ توڑی ماری و دوگاہ حسینی ۔

زلیف ۔ کھٹ راگ میں شہ ساز کو ملایا ہے ۔

فرغانہ ۔ کنگلی اور گورا میں فرغانہ کو ملایا ہے ۔

سراپردہ ۔ سارنگ، بلاول اور دامت کو ترکیب کیا ہے ۔

باخزر ۔ دیس کار میں ایک فارسی راگ ملا دیا ہے ۔

فردوست یا بہر دوست و فردوست ۔ کانہڑا، گوری، پوربی اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے ۔

منم و منعم ۔ کلیان میں ایک فارسی راگ کو شامل کیا ہے ۔

وحید مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں قول، ترانہ، خیال، نگار البسیط، شاباز اور سہیلا کا بھی ذکر کیا ہے ۔ خسرو نے جو نئے راگ پیدا کئے تھے ۔ اس زمانے میں تو مقبول ہوئے لیکن اب صرف چند ہی باقی ہیں ۔ بقول واجد علی شاہ خسرو دھرپد کی بجائے خیال کے نایک تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ترانہ، چھند، بند، قول، قلبانہ، نقش اور گل کے موجد ہیں ۔

عام روایت ہے کہ خسرو ستار کے موجد تھے ۔ لیکن یہ قطعی غلط روایت ہے ۔ ہاں کسی ساز میں انہوں نے تار گھٹا بڑھا دیئے ہوں تو اور بات ہے ۔ وینا تو ہندو دیو مالا میں سرسوتی کا نشان ہے اور یہ ساز ہندو موسیقی میں بہت پرانا ہے ۔ امیر خسرو اس کے موجد نہیں ہو سکتے ۔ یہ کہنے میں باک نہیں کہ وہ ایرانی اور ہندوستانی موسیقی سے واقف ہی نہیں بلکہ ان

کے ماہر تھے۔ جبھی توان دونوں قسم کی موسیقیوں کے راگوں کو ملا کرنئے راگ ایجاد کئے۔ خود ان کا "قول" پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ دوبارہ لکھ دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

نظم را کردم سہ دفتر رو بہ تحریر آمدی
علمِ موسیقی سہ دیگر بود ار باور بود

کلامِ خسرو

(انتخاب)

حمد

حمدِ خداوند سرِ نامہ نخست — تا شود ایں نامہ بنامش درست
واجبِ اوّل بوجودِ قدم — نے بوجودے کہ بود از عدم
پیشتر از وہمِ خرد پروراں — بیشتر از فہمِ فراست گراں
نور فزائے بصرِ دوربیں — دیدہ کشائے دلِ عبرت گزیں
فکرتِ صاحب خرداں خاکِ او — معترفِ عجز در ادراکِ او
دل متحیر کہ چہ داند ورا — روح دریں گم کہ چہ خواند ورا
زہرہ ندارد خردِ سست خیز — تا کند اندیشہ دریں راہ تیز
آدمی ایں جا بسخن راہ جوست — لیک سخن کے رسد آنجا کہ اوست
ہر کس ازو آمدہ در گفت وگوئے — معرفتش از ہمہ پوشیدہ روئے
رخشِ عمل در رہش انگندہ سُم — علت و معلول درو ہر دو گم
کس نبرد راہ بہ تحقیقِ او — در برد الّا کہ بتوفیقِ او
من کہ ہمہ ہستیِ من نیستی ست — ہستیِ بے نیست ندانم کہ چیست

هستی ما ز خرد اندکے ست — واں ہمہ با نیستی ما یکے ست
نیست شناسندهٔ ہستی مگر — آنکه ورا نیست ز ہستی گذر
نیستی از ہستی او شست دست — ہست و بود نیست شود ہر چہ ہست
ثابتِ مطلق بصفاتِ احد — زندهٔ باقی ببقائے ابد
بود در اوّل کس از و پیش نہ — ماند در آخر کس از و بیش نہ
حادثه را با ازلش کار نے — نقشِ فنا با ابدش بار نے
حکمت و حکمش که ندارد زوال — ہم ز خلل خالی و ہم از خیال
کرد خرد وحدتِ او را سجود — ثانیِ او ممتنع اندر وجود
غیرتِ غیر از قدرش دور سیر — پاک ز امکان تغیر چو غیر
شرک نه بر مملکتش دست سائے — خود نتواں بود بشرکت خدائے
فطرتِ ہستی نه باسباب ساخت — بے سبب غیر علم بر فراخت
نقشِ صور کرد - بآلت نه کرد — بر فلک و طبع حوالت نکرد
چون و چرا نقش طراز تن است — آئینهٔ صورت از و روشن ست
آں که نگنجد بخیال و صُوَر — چون و چرا کے کند آں جا گذر
پاک ز آلودگیِ آب و خاک — پاک تر از ہر چہ بگویند پاک
نے کس از و زاده و نے او ز کس — زادن و نازادن ما زو ست بس
دیدنِ خود گفت بما در نہفت — شاد ہماں کس که بدید و نگفت

دیدن او هست ز مردم دروغ / تا هم از و دیده بیابد فروغ
چشم جهت بیش چه بیند بنور / تا نکند خود جهت از دیده دور
بسته مکاں را بجهات و صفات / هم ز مکان فارغ و هم از جهات
بے همه جا و همه جا در روں / در همه جا و ز همه جا بروں
راستیِ او بدرستی که خواست / راست درست آنچه کند جمله راست
راست روی برده ز بے حاصلاں / داده درستی بشکسته دلاں
غمزدگاں را بطرب دلکشائے / گم شدگاں را بکرم رهنمائے
مونسِ هر دل که فراغیش نیست / محرمِ هر شب که چراغیش نیست
هر چه نه او - در خطِ امکان اوست / هر چه جز او بندهٔ فرمان اوست
روزیِ هر کس برساند بسے / منتِ روزی نه نهد بر کسے
داد بلب روزیِ تن را کلید / جسته و ناجسته بخواهد رسید
کن مکن او راست ز نو تا کهن / هر چه کند کیست که گوید مکن
عالمِ برحق نه بتعلیم کس / هر همه زو یافته تعلیم و بس
هر چه کند در کل و در جز اثر / کلی و جزئیش بود زاں خبر
مورچه جائے که نهد پائے راست / او بشبِ تار بداند کجاست
آنچه بهستی رقمش حرف جوست / خامه گزارِ قلمِ صنع اوست
صانعِ بے عیب ز علت بری / نور فزائے قمر و مشتری

غالیہ سائے شب مشکیں پرند | پردہ بر انداز سپہر بلند
نوردہ انجم خورشید تاب | سبز کن خاک بتاثیر آب
حقۂ تن را بفنا در کشائے | جوہر جاں را ببقا رہنمائے
ز آب عنایت گہر انگیختہ | در صدف کن فیکوں ریختہ
قطرۂ احسانش بفیض عمیم | حمل صدف بستہ ز دُرِّ یتیم
حجلہ کش جلوۂ بکران باغ | خاص کن عطر بہ قصر دماغ
نقش طرازے کہ بصنع بدیع | راند قلم بر صفحات ربیع
نامۂ گل را بہ نما خامہ کرد | نامیہ را حرف کش نامہ کرد
سنبل تر بر رخ گلشن کشید | سنبلہ را دانہ بخرمن کشید
طفل گیا را ز ہوا ریخت شیر | مغز جہاں را ز صبا زد عبیر
ناف شگوفہ ز بخور نسیم | کرد بعنبر نفسی مستقیم
جلد سمن را کہ ورق کرد باز | مہر خودش داد بعنوان راز
چشم سحاب از نم دریا کشاد | چشمۂ آب از دل خارا کشاد
چار گہر کرد جہاں را پدید | در گرہ شش جہت اندر کشید
دور زمیں را بزماں باز بست | دام و دد از وے بامان باز رست
سلسلۂ آب ز رہ بر زرہ | طوق زمیں کرد گرہ بر گرہ
باد محیط کرۂ آب ساخت | نار بہ پیراہن آں بر فراخت

کحلِ شب از دیدهٔ انجم نمود — نورِ دل از سینهٔ مردم نمود
طالعِ مردم ز شمارِ نخست — کرد بتقویمِ عنایت درست
ز آب چناں کرد مصور خیال — کاں بتصور ننماید جمال
نقش چناں بست بهر تن که هست — کش بدلِ خود نتواں نقش بست
قصرِ جسد را به همیں داوری — ز آب و گلے کرد عمارت گری
دفترِ دل را خطِ شاهی نوشت — جائزهٔ سرِّ الٰهی نوشت
جاں که بهر جسم روانیش داد — پرتوے از نورِ خدائیش داد
گوش بآوازِ سخن تازه کرد — وز سخن آفاق پر آوازه کرد
ما که نبودیم - بوجود آمدیم — از عدم از وے بوجود آمدیم
کیں دراگر او نگشادے بما — دولتِ ایں خانه که دادے بما
نورِ بصر داد که بینا شدیم — چشم کشا شد که شناسا شدیم
معرفتش گر نشدے رهنمائے — نے ز خود آگه بدے نے از خدائے
گر همه ز اندیشه جگر خوں کنم — شکر چنیں مرحمتے چوں کنم
طاعتِ ما نے کرمش بے قیاس — وائے بداں کس که نگوید سپاس
اے صفتت بنده نوازندگی — از تو خدائی و ز ما بندگی
گرچه نیاید ز منِ خاکسار — ز انچه شوم بر درِ تو رستگار
هم بتو ام هست امیدِ تمام — کز درِ تو رد نشوم والسلام

(قرانُ السعدین)

نعت

پیشروِ کوکبۂ انبیا — کوکبش از منزلتِ کبریا
کون و مکاں در خطِ امکانِ او — کاین و من کاں گہرِ کانِ او
کرد لوا نصب در ایوانِ ہو — تحتِ لوا آدم و مَنْ دونہٗ
از حدِ ناسوت برون تاختہ — بر خطِ لاہوت وطن ساختہ
لعلِ وے از خاتمت آگہ شدہ — خاتمِ انگشت یداللہ شدہ
خاتمش از ہفت فلک حلقہ ساز — یافتہ از مہرِ نبوّت طراز
گرچہ سلیماں شود انگشتریں — خنصرِ او را نرسد در نگیں
گرد شدہ حلقۂ پیغمبراں — خاتمتش مہر نہادہ بر آں
ختمِ نبوّت شدہ برہانِ او — مصحفِ ختم آمدہ در شانِ او
حلقۂ او سلسلۂ تافتہ — ہر دو جہاں بستۂ آں یافتہ
در شبِ تاریکِ عدم رہ نبود — در چہ کہ رہ بود کس آگہ نبود
نورِ نخستش چو علم برکشید — شامِ عدم را سحر آمد پدید

ہستی ازاں نور چراغے بدست　　راہ نما گشت بہر کس کہ ہست
سایۂ رمحش کہ ز گردوں گزشت　　رزق رساں بر ہمہ آفاق گشت
سایۂ زلبش نور نہ بد پیش و پس　　سایۂ خورشید ندیدہ است کس
سایہ نہ و ظلِ سلامت ازو　　سایۂ خورشید قیامت ازو
از پئے خورشیدِ قیامت جہاں　　ساختہ از گیسوئے او سایباں

بارِ خدایا بحق آں رسول
کیں سخنِ چند کن از ما قبول

(قران السعدین)

در مدحِ حضرت نظام الدّین اولیاءؒ

کسے کہ از ازلش عونِ غیب یار بود
ہمیشہ کوشش او در صلاحِ کار بود

تنے کہ ہست سہ روحش یکے ہزاراں گشت
خطے کہ ہست سہ صفرش یکے ہزار بود

چو سنگ نیست بہ طینت چو معرفت خیزد؟
کجا ز خشتِ زر و نقرہ را عیار بود

بہ عشق باش بہ کلّی کہ مرغ آتش خوار
نہ پختہ باشد اگر کم ز دود خار بود

فقیر کش بہ ریاضت عقیدہ محکم نیست
تکادریست کش از گنہ نافسار بود

ز نفس بو الہوست فعل زشت خوب نمود
وگرنہ زاغ کے از نغمہ ہمچو سار بود

چو نیست خوئے تو شیریں شکر چہ سودت نام
کہ نیشکر بہ سمرقند و قندھار بود

ز تابِ جوہرِ تو دلِ مردم آتشے باید
کہ نور او را سوزندگی چو نار بود

کند فروزشِ شب لیک سوزشے نہ کند
اگرچہ کرمک شب تاب چوں شرار بود

بہ کار بر سر آں ہائے گراں بارے
کہ یک شکم ہمہ دندانش چوں انار بود

بہ اختیار طلب یاری از خدائے دود
بہ سان یار کہ در لفظ اختیار بود

چو فضل نیست بہ بالا چو مستعار ملاف
کہ عار لازمت و نقش مستعار بود

ز بہرِ روغنِ آب کساں حریص مشو | چو ریگ کج کہ برِ جوئے رود بار بود
شکم پرست مشو بارِ خر بہ پشت و بہ سر | اسیرِ بارِ شکم بیں کہ آں چہ بار بود
بہ روح زی نہ بہ تن تا ہمیشہ مانی از آنک | بنائے عمر ز آب و گِل استوار بود
ز زندگی ست کہ پیلے شکارِ اژدرہاست | چو اژدہا بمرد کرم را شکار بود
برو کیے بود گر باصفا کنی عملے | کہ پیش آئینہ گرد دہی چہار بود
عمل نگر ز بشر نے درم چو گوش کرست | چہ سود اگر زر و لعلش بہ گوشوار بود
بکارِ دیں چو بہ کار ست سنگ استنجا | اگر تو کم تر از آنی ببیں چہ عار بود
بکارِ چوں منِ اشتر دلاں پلنگ سید | کہ موش جز دلِ القاب صد حصار بود
بہ ملک دل نہ شد امیں کہ او گراں جان ست | سزائے جل نہ شد اشتر کہ برد بار بود
سبک شو از پے راہے کہ جانِ ما ان سنگے | در او ثقیل تر از کوہ کوہسار بود
چو مورچہ ز کبوتر رسد بر اوجِ ہوا | بگو کجا رسد آں کو ہوا سوار بود
ہوا بہ زیرِ قدم کن اگر ہمی خواہی | بہ بارگاہ فرشتہ و شانت بار بود
تو خود فرشتہ شو اما ز خویش نتواں شد | جز آں کہ صحبتِ خاصانِ کردگار بود
فرشتہ می شود و جبرئیل روحانی | کسے کہ در پئے غوثِ روزگار بود
نظامِ دین کہ ز نیروش اہلِ دیں پیوست | ز حادثاتِ سماوی بہ زینہار بود
ز تیزیِ نظرش بس کہ خاک شد تہِ چرخ | ہمہ سرائرِ زیباش در جہار بود
ہمیشہ نورِ تجلی ست شمعِ مجلسِ او | درونِ پردۂ باری شبے کہ بار بود

خزینۂ خرد و بارگاہِ خانۂ دل — مدام از فلکش پر ز یادگار بود
ہمیشہ مہرِ ملک در جوارِ اوست چنانک — مسیح را بہ فلک مہر در جوار بود
شیوخِ خفتہ از آں زندہ گشتگانِ دری — نیام را ہمہ رونق ز ذوالفقار بود
بہ فرقِ خاکِ درِ او کہ سیرِ عزت نغز — ہزار کوہِ زرش ہمچو کوہِ خار بود
ز دستِ آئینہ خواہندگاں کہ وقتے گاہ — ہوائے بیشِ درش چوں سرِ چنار بود
دلے چنار ہمہ دستہا تہی دارد — از او بود ہمہ پر گرچہ بے شمار بود
شود خراب بسیطِ زمیں ز خیلِ نفاق — اگر نہ در پئے ایں بزرگوار بود
دگر نہ رابطۂ دہر نو کند بہ جہاں — ز خلقِ او ہمہ فصلِ جہاں بہار بود
کسے کہ دید ترا اگرچہ دوزخی ست بجرم — بساطِ آتش سوزِ عشق لالہ زار بود
کلاہ دار و قبا پوش نیز ہست بسے — کہ ذرہ ذرہ دلش ہمچو کوکنار بود
بہ خاکِ پاک کہ مینم ورائے عرش اورا — کہ خاکِ پائے تو در چشمِ اعتبار بود
مزیدِ فقرِ ترا رقعہ ہائے پر شبہ ست — ز حرفِ غیب بہ ہر رقعہ صد نگار بود
بہ دورِ دولتِ امیدِ خسروِ مسکیں ست — رحیقِ حق کہ بنا خوردنش خمار بود
چو نامِ روشنِ ایں شعر نائب النور ست — سزد اگر کہ زمینوش برگ و بار بود

ز ابرِ رحمتِ یزدانِ پاک بہ نشیند
غبارہا کہ در ایں خاکسار بود

(کلیاتِ خسرو نول کشور)

فی مدح سلطان علاء الدین

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نوبر؟
شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر

نہ باشد چوں لب و اندام و گیسوئے درخت ہرگز
شکر شیریں و گل رنگیں و شب مشکیں و صبح اذفر

ببرد اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو
ز شخصم تاب و رویم آب و چشمم خواب جانم خور

ز شوق و عشق و سوز و ساز و داغ اینک ہمی گوئم
دہم ور دغم سوزو لم عود و تنم مجمر

نہ دیدم چوں توئی از شکل و ناز و شوخی و خندہ
بروں زنگ و دروں جنگ بر دل سنگ و لب گوہر

جواناں عاشق و حیراں و مست و بیخود و خوباں
فریب انگیز و رنگ آمیز و بے پرہیز و غارت گر

چو نے سحر و دم افسوں و نیرنگ من از گفتت
نہم جوش و دہم جوش و نہم گوش و کنم باور

مشو زیں ساں ز جور و خشم و رعنائی و بدخوئی
جگر خار و دل آزار و جفا کار و ستم گستر

مکن چندیں ہمیں آخر گہ و بے گاہ و روز و شب
قضا بیشک زیاں اندک بقا کوچک فنا بے مر

نہ ماند کس بجز دولت و نور و شکوہ آرے
سر شاہانِ جم دوراں مہ ایوان شہ کشور

علاء الدین بود شہ کز کف و رائے و دل و دیں شد
دُر افشان و ہنر دان و جہانبان و جہاں داور

محمد شاہ کز عفو و جہاد علم و حلم آمد
خطا پوش و غزا کوش و قمی ہوش و علی مخبر

شہنشاہے کہ ہست از تاج و تیغ و چشم بخشایش
خداوند و ہنرمند و عدو بند و دلی پرور

بہ طوع و رغبت و عشق و ہوس باشند در پیشش
ستارہ راہ و زہرہ گاہ و مہ درگاہ و کیواں در

برزم اندر دلیر و پهلوان و ترک هندویش
چه هامان و چه پیران و چه دستان و چه زال زر

کشیده وراند و بر دو کوفت اندر دار ملک او
سنان قاران قلم هامان علم خاقان دل سنجر

شوند از حربه و بیم و نهیب و خوف در پیشش
فلک لرزان ملک بیجان جهان حیران زمان مضطر

زهے بکشاد فتح و نصرت و فیروزی او بخت
درے بیحد فراوان شد ز قلعه صد دو صد لشکر

ترا دیدم بگاہے بازگشت و حمله و هیجا
علا گردن سما توسن بقا جوشن ظفر مغفر

ترا داد ایزد اندر ملک و تخت و بالش و مسند
جلال و قدر و عز و صدر و زیب بدر و نور خور

جهان پیش از تو بد زاد بار ظلم و ظلمت حرمان
رہے نیزه صفے بے شه شبے بے مه زرے بے زر

بعهد و نوبت و دوران ملکت شد بحمد الله
فلک خوش خوش چمن دل جو زمیں مینو سما ازهر

رعیت را ز لطف و خلق و خیر و یمن تو گشته
خنک بستان و خس ریحان و یم مرجان و گل عنبر

یگاں کس را دہی ز انعام و جود و رافت و ہمت
بہ دریا دُر بہ دشت اشتر بہ موج اختر بہ فوج اختر

زخطِ سبز و نقش سرخ و احسانِ تو شد عاجز
دل عامہ رخ نامہ سرِ خامہ خط دفتر

کسے کز عونِ بذل و فضل و لطف خاص شہ گردد
مخالف سوز و گنج اندوز فرخ روز و نیک اختر

بماند پیشانِ دولت راتن و عیش و دل و مرشد
نزار و زار و تو ننگ تار و پست و خار و کور و کر

ز مدح قسمت در طبع و دل و کلک و خطِ خسرو
ہنر مضمون شکر معجوں دُرِ مکنوں گہر مضمر

الا تا زاید و آید الا تا خیزد و تابد
گل از خار و خز از تار و تف از نار و خور از خاور

بہ وجد و حال و ذوق و شوق و در نوبت کشد زہرہ
دلم دلکش سرود خوش نہ شد کیں کش نوائے تر

بہ شاہی و جہانبانی و دینداری و سلطانی
عدو فرسائے و بزم آرائے و ملک افزائے و عالم خور
مبادت ہیچ روز و ساعت و وقت و نفس خالی
نگیں ز انگشت و جام از مشت و حرز از پشت و تاج از سر

(۲)

دلآرائے ہمچو شاخِ گُل لطیف و نازنین و تر
نشاط انگیز و عیش افزا و راحت بخش و جاں پرور
ز زیبائی و لطف و نازکی و تازگی ہیئت
چہ ریحان و چہ نسرین و چہ شمشاد و چہ نیلوفر؟
ز عکسِ عارض و جعد و بناگوش و دو چشمِ تو
دمد لالہ چمد سنبل فتد نسرین پرد عنبر
ز گلگشت و ز جوئے افشاں نسیم عطر تو جوید
چمن روح و سمن طیب و صبا مشک و گیا عنبر
تن و روئے و خط و خد و بر و قد و لب لطفت
مہ و مہر و شب و روز و گل و سرو و مے و شکر

شبم در ہجر و بیداری و شوق و غم بود بے تو
نفس مونس حجر بالش خسک بالیں زمیں بستر
نہے از ابرو و مژگاں خسے از نرگس و غمزہ
خصومت ساز و عاشق سوز و افسوں خواں و جادوگر
بیا تا باد و شاد و خرم و آسودہ و خنداں
شوم ہمدم کنم عشرت خورم بادہ کشم ساغر
کہ ہست از عون و عدل و بذل و احسانِ شہِ عالم
جہاں بے غم اماں محکم طرب بے حد خوشی بے مر
جہاندارے نکوکارے فلک قدرے ملک صدرے
علاء الدین علوِ حق محمد نام احمد فر
سرافراز و سرانداز و جہاں گیر و مخالف کش
ظفریاب و گہرپاش و جہاں بخش و کرم گستر
رہ رائی و دمِ خلق و فنِ علم و ہنر صافش
خرد را بیخ و جاں را شاخ و تن را رگ حق را بر
اماں و عدل و امن و راحت ست اندر زمانِ او
بہ شرق و غرب و شہر و دیہ و کوہ و دشت و بحر و بر

جمال زیبِ یمین و فر گرفت از خطبۂ نامش
رخ جمعہ صفِ قبلہ درِ مسجد سرِ منبر
بزرگ و خرد و خاص و عام را در ذکر ذات او
صفت ورد و لقب حرز و دعا یاد و ثنا از بر
ربود و برد و بہ شکست و ستد باد سنانِ او
ز مرداں دل ز شیراں جان ز خصماں تن ز شاہاں سر
دراں روزی کہ از سہم و لواؤ خاک خوں گردد
جہاں ادہم ہوا ابرش قضا ابلق سما اغبر
سواران و یلان و پُر دلان و صفدراں بینی
کمند انداز و خنجر گیر و ناوک بار و جولاں گر
بہ آہنگ و درنگ و حیلہ و حملہ شود پیدا
یل از شست و بز از گرگ و سگ از شیر و دلیر از خر
کند شاہ از سنان و تیر و گرز و حربہ گر خواہد
فلک زیر و زمیں بالا و دوراں شیب و دہر ابتر
حسود و دشمن و بدخواہ و خصمش را اسد ہر دم
بہ دل ناوک بہ جاں تر وبیں بر تن نیزہ بہ سر خنجر

بہ پشتِ ہر دو دستے کز دو مشت و قوس و پشتِ یل
رود ناوک دو دو بیک جہد سوری پر دگلبر
ز رعب و بیم و ترس و ہیبت و شہ گم کند آں دم
ثوابت جا ثریا رہ کواکب پا ملائک پر
کشاید چار چیز از چار جا یک زخم تیرِ او
ز تن خون و ز ابر آب و زکہ دود و ز سنگ آذر
بہ بہرِ جائے و عش کوس و رکاب و کبش راشد
شرف موکب علو رایت بقا ساقہ ظفر رہبر
جہاں دارا بہ علم و حلم و مہر و کیں سر آید دم
تن عالم دل دریا کفِ معدن سرِ لشکر
سریر و ملت و ملک و جہاں در ضبط خود کردست
بہ کار و بار و دین و کیش و دست و شست و زد و روز زر
ز عنف و لطفِ تو ہستند مردم عاصی و مخلص
بہ نار و نور و دود و داد و سوز و ساز و خیر و شر
ز قلب ہر امیر و پہلوان و گرد و لشکر کش
تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فر سکندر در

حریمِ بار و چترِ ملک و نعل اسپ و پابوست
درِ خلد و شبِ قدر و مہ عید و حج اکبر
سرِ درضوان و حور و آفتاب و زہرہ در رزمت
نشاط آغاز و ساحت زیب و نقل آرا و خنیاگر
ز طبع و ذہن و فہم و وہم خسرو یافت در مدحت
زباں گوہر سخن ہدیہ قلم حلیہ ورق دفتر
ہمیشہ تا بہ شکلِ طول و عرض و عمق چرخ آمد
رہ قوس و دم جدی سرِ قطب و خطِ محور
بحزم و عزم و بزم و رزم بادت ہر کجا خواہی
قدر حامی فلک خادم قضا حافظ خدا یاور

(۳)

سپیدہ دم چو ہوا گشت بوستاں فرمود
بساطِ خاک ز دیبا و پرنیاں فرمود
کنوں گل از بُنِ دنداں درم دہد ہر روز
کہ لالہ خال و خطِ سبزہ دانشاں فرمود
چو روئے نازک گل تابِ آفتاب نداشت
زمانہ بر سرش از ابر سایباں فرمود
ز لالہ خواست چمن ساغر و سبک بخشید
ز ابر خواست زمیں شربت و رواں فرمود

زنو شد ارد بیاراں کہ ریخت ساقی ابر ۔۔۔ علاجِ نرگسِ مخمورِ ناتواں فرمود
حرارة دف خورشید بیں کنوں برہوا ۔۔۔ کہ یادِ جلوہ یک رانِ بوستاں فرمود
ہرآں چہ در ورقِ خویش غنچہ مشکل داشت ۔۔۔ بنفشہ گوش نہاد و صبا بیاں فرمود
اصول ناختہ چوں شد درست بلبل را ۔۔۔ گلش ترنم بزم خدایگاں فرمود
علائے دنیا و دیں آں شہے کہ عالم را ۔۔۔ بہ عدل خویشتن از حادثات اماں فرمود
ہمائے ہمتِ او چوں پرید بر گردوں ۔۔۔ قدر بہ کنگرۂ عرش آشیاں فرمود
کماں ترا چو پسندیدہ نیست ابر چرا ۔۔۔ برائے شاہ ز قوسِ قزح کماں فرمود
شہا شکوہِ تو بگست عقد جوزا را ۔۔۔ وزاں حمائلِ شمشیر خضر جاں فرمود
خورد بہ مرتبہ لافِ عطاردی خسرو ۔۔۔ فلک دعا و ثنائیش بہ امتحاں فرمود

بماں بہ دولت و اقبال بر سریر بلند
کہ کردگار ترا عمر جاوداں فرمود

(کلیاتِ خسرو نول کشور)

مُطرب اور خسروؔ

حسنِ اخلاق از خردمنداں تواں کرد طلب ۔۔۔ خر بود آں کو ادب جستن بہ سوئے خر بود
بے خرد را عیب نتواں کرد در ترکِ ادب ۔۔۔ عیب نبود مور بر تختِ سلیماں گر بود
مطربے می گفت خسروؔ را کہ اے گنجِ سخن ۔۔۔ علمِ موسیقی ز فنِ نظم نیکوتر بود
زاں کہ ایں علمے ست کز دقت نیاید در قلم ۔۔۔ واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم ۔۔۔ ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں بہتر بود
فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست ۔۔۔ تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بہ نفسِ خود تمام ۔۔۔ کو نہ محتاجِ سماع و صوتِ خُنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظمے فرو خواند رواست ۔۔۔ نے بہ معنی ہیچ نقصان نے بہ لفظ اندر بود
در کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود ۔۔۔ چوں سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود
نالۂ زن را بیں کہ صوتے دارد و گفتار نے ۔۔۔ لاجرم محتاج در قولِ کسے دیگر بود
پس دریں صورت ضرورت شد اصوات و سماع ۔۔۔ از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش ۔۔۔ نیست عیبے گر عروسے خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر ۔۔۔ ور نہ داند پرسد از من ور نہ پرسد خر بود

(کلیاتِ خسرو نول کشور)

رباعیات

اے آن کہ شدہ طفیلت آدم پیدا
گشت از سببِ تو چرخ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو دریک عالم
بہر تو خطا کرد دو عالم پیدا

از شیخِ نظام چوں سلامت ست مرا
با حسن عمل عیشِ مدام است مرا
امید پس مرا دو گام ست مرا
زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

خط برلب تو نقشِ نگین افتادہ ست
خورشید ازاں نگین نگین افتادہ ست
زاں زلف ترا شکستہ سرتا پاے
کز سرو بلند بر زمین افتادہ ست

○

مسکین دلم از غم بہ زیاں فتادہ ست
زان زار زبانہ در فغاں افتادہ است
ماندست فتادہ در کفِ خوش پسراں
دیوانہ بہ دستِ کودکاں افتادہ است

باروے ترِ غنچہ را دہان خنداں نیست
گو ہست ولی پیشِ رخت چنداں نیست
از رشک لبت پستہ بخاید لب خود
لیکن چہ کند در دہنش دنداں نیست

در ملکِ قلندر کہ جہاں بانیٔ ماست
دیدن بہ پری و شان سلیمانیٔ ماست
مسند چو بر آسمان خمار کنم
ہر قطرۂ می نگینِ سلطانیٔ ماست

○

چشم از رخ تو جای دگر نه توان برد
سودای تو از سینه بدر نه توان برد
بی روی تو میرد دلبر عمر عزیز
ضائع تو از این عمر بسر نه توان برد

رخت از در دوست بر کران خواهم برد
جان خواهم داد بلکه جان خواهم برد
ای دل پس ازین تو دانی وآن بدخوی
من زحمت خویش از میان خواهم برد

دل در شکن زلف دوتاے تو بماند
جان نیز چو ذره در هوای تو بماند
هر کس سر خود گرفت و رفت از کویت
الّا سر من که زیر پای تو بماند

دوش آمدہ وعدہ شرابم می داد
خونابہ بہ جای می نابم می داد
می پرسیدم حال دل او خاموش بود
واں زلف بجای او جوابم می داد

یارب شد و زد در دل من آہ بماند
وز دامن وصل دست کوتاہ بماند
بر خاک رہش دو دیدہ را بنہادم
او رفت و مراد دیدہ بر راہ بماند

گیسوی تو بہ بسی ست ہم زنجیرم
لیکن نہ چوں من کہ زار و بی تدبیرم
ہم تو بکن ایں فوق کہ از دیدن تو
ایشاں ہمہ می زیند و من می میرم

○

مائیم که از قبله به بت خُو کردیم
دیباچهٔ نام و ننگ یک سو کردیم
دل را همی خزینهٔ معرفت هست
بازیچهٔ کودکان بت رو کردیم

من می نه خورم که حسرت از وی نخوریم
ور نیز خورم باده و بالی نخوریم
گویند مرا "می مخور" ای شیشهٔ می
خون تو خورم زین پس اگر می نخوریم

(کلیات خسرو نول کشور)

متفرقات

پان

صفت بیرهٔ تنبول که نزدِ همه خلق
به ازاں نیست بناتی بہمہ ہندوستاں

بیرهٔ تنبول که صد مرگ بست ‌ ‌ ‌ چوں گُلِ صد برگ بیامد بدست
نادره برگے چو گُلِ بوستاں ‌ ‌ ‌ خوب ترین نعمتِ ہندوستاں
تیز چو گوش فرس تیره خیز ‌ ‌ ‌ صورت و معنی بصفت ہر دو تیز
تیزی ازد یافته گوشِ دگر ‌ ‌ ‌ داد بهر گوش ز تیزی خبر
تیزی او آلتِ قطع جذام ‌ ‌ ‌ قول نبی رفته علیه السلام
بر رگ و در رگ نه نشانی ز خون ‌ ‌ ‌ لیک ہم از رگِ دو دش خون بروں
طرفه بناتی که چو شد در دہن ‌ ‌ ‌ خوش چو جاں بدر آید ز تن
خوردنِ آں بوئے دہن کم کند ‌ ‌ ‌ سستیٔ دنداں ہمه محکم کند
سیر خورد گرسنه در دم شود ‌ ‌ ‌ گرسته را گرسنگی کم شود
سرخی رویش ز سه خومت گرش ‌ ‌ ‌ چونهٔ و فوفل شده رنگ آورش

گرچہ کہ آبش بنوی ہست بیش　　کہنہ شود بیش کند آب خویش
برگ کہ باشد بدرختاں فراخ　　زرد شود خشک چو افتد زشاخ
برگ عجب بیں کہ گستہ زبر　　وزپس شش ماہ بود تازہ تر
حرمتش از بیش گرد پایگاہ　　ہم بگدا محترم و ہم بشاہ

(قران السعدین)

چند شعر رقاصہ عورتوں پر

شد زنِ مطرب بہ نوا پروری　　انجمنی پُر زمہ و مُشتری
پردہ بر انداختہ چوں آفتاب　　کردہ بیک غمزہ جہانی خراب
روی چو خورشید برافروختہ　　جانِ کساں زآتش خود سوختہ
زابروئے خود پشتِ کماں ساختہ
تیرِ مژہ نیم کش انداختہ

(قران السعدین)

کشورِ ہند

اثباتِ ملکِ ہند بحجت کہ جنت است

حجت ہم بقاعدۂ عقلی استوار

کشورِ ہند است بہشتی بزمین — حجّتش اینک بہ رخِ صفحہ بہ بین
حجت ثابت چو دران نیست شکی — ہفت بگویم بہ درستی نہ یکی
اوّلش اینست کہ آدم بہ جنان — چون ز عصی خستگی یافت چنان
دانۂ گندم کہ شدش تخمِ گنہ — بین کہ چنان تخمِ گنہ بست بنہ
زخمِ عصی خورد بر انسان زکمین — کز فلک افتاد بہ سختی بزمین
عصمتِ حق داشت ہمی چون نگہش — خارۂ کہسار شد اطلس تہش
آمدن از خلد بہ ہندش بُد ازان — کان گلِ جنت کہ زدش بادِ خزان
گر بہ خراسان و عرب یا ری و چین — یک نفسی بہرہ گرفتی بزمین
گرمی و سردیٔ خراسان و عرب — زان بہ ری و چین عذابیست عجب

او شد پر ررده به فردوس درون — چونش بدی طاقت این اندہ چون
گشت محقق به چنین وصف متین — کین همه هندست چون فردوس هین
هند چو از خلد نشان بود درو — ز آمر خدا یدش قدم آسود درو
ورنه بدان نازکی از جای دگر — آمدی ار رنج فتادی به ضرر
حجتی دیگر که ز طاؤس کشم — مرغ خرد را به زمین بوس کشم
گر نه بهشت است همین هند چرا — از پی طاؤس جناں گشت سرا
هست چو این طائر فردوسی اگر — بوی ازاں باغ بدی جای دگر
لا بد ازین جای بداں جای شدی — وز پی رفتن همه تن پای شدی
بود همین جا چو ز فردوس اثری — جانب دیگر نه فتادش گزری
حجت اینست سیوم گو به شکی — کامدن مار ز باغ فلکی
بود به همراهی طاؤس و صفی — قصه چنین گفت فقیهه حنفی
لیک جز از هند دگر یافت محل — زان که همه نیش زدن داشت عمل
گو وطن از هند شدی حاصل او — باز به فردوس شدی منزل او
چون همه آزردن جا بود فنش — در خور آن شد به زمینی وطنش
هند که صد راحت جاں زاد درو — مار زیان کار نیفتاد درو
مار بسی هست گو این جا به زمین — مار همان می طلبد بنده نه این

حجت چارم مگر نیست که چون — زد قدم آدم ز خلد هند برون
بود دلش از پی حوّا به هوا — درد جدائیش نمی یافت دوا
بعد دو سه روز دران نو سفرش — چاشت نه شد جز بجو شام درش
نعمتِ فردوس که بودش به شکم — از شکمش گشت دران ناحیه کم
آنچه فرو ریخت ازو گشت تلی — راست چو بر رفته ببالا جبلی
غوطه صحرای دمشق ست همان — هر همه دانندش ازان عهد و زمان
گو چه که آن نعمت فردوس بدش — در زمی هند نشاند نشدش
بر دگمان کانست مگر خلد دگر — بد بود این جا ز جنان مایه اثر
گر نه بهشت ست همه هند چرا — در حدش آن بار نیفتاد روا
حجت پنجم شنو کین که همه کس — نزد همه کس رسیده است نفس
کز خوشی و عیش و هوا های گزین — شهر دمشق ست بهشتی به زمین
گفت خرد پیشه که کرده نگهش — خلد همان یا زبر و یا به تهش
دین هم از خلق رسیده به خبر — کان طرف آن دم که نبی کرده گذر
در نه شد و گفت بامت اگر دم — بی تبع خویش به جنت نزدم
باز هم از اهلِ خرد گشته تعین — کان خوشی و عیش دران تازه زمین
هست اثر غوطه که آدم ز درون — نعمت فردوس در و داده برون

تو هم ازین جای برون بر نه دگر — نقلی درون کس ز بهشت ست اثر

خوش دلی و عیش فزاییست چنان — کان زمی روح شده دار جنان

آدم از ایوان بهشت و طربش — کامده بوی می و میوه به لبش

چون که به هند آمد از آن جای عجب — داد نسیم و فرح و طیب و طرب

عطر بهشتیش همه تازه و نو — لخلخه بود بصد طیب گرد

زین چه طرب زای بود این گل و گل — بهر نشاط تن و آسایش دل

هند همه سال که گو روی بود — زین بود و گل همه خوشبوی بود

نی چو ری و روم که گو نیست در آن — جز دو سه ماهی که در آید گزران

وان هم ز آن سان گل و لاله نشان — بوی ندارد ز یخ و ژاله نشان

هشتم ششم حجتم کاین هست خبر — ز احمد مرسل که به تحقیق نگر

نعمت دنیا که بما نیست سزا — از پی گیران ست بهشتی بر جزا

زین سخن از آدم تا نوبت دین — هند بدی بر کفره خلد برین

و آنچه که گر هست درین عهد همه — هم به بهشت ست دمی و شهد همه

گر همه در محنت و رنج است و جفا — آن نه بر و نعمت و ذوقی به وفا

زان که بر اهل سفر از بهر صنم — نعمت و راحت بود اندوه و ستم

پس به همه حال ز خوبی وبهی — هند بهشت است به اثبات رهی

حجت هفتم شنو ایں محکم و پر — پیش تو آراسته چوں رشته بدر

کانچه که در هند مسلمانست بحق — تا به تنش از اثر جانست رمق

گرچه که بر نسبت فردوس نهاں — با همه لطیفش چو زندانست جهاں

لیک به هند ست نسیمیش دگر — کانش درون میدهد از جنت اثر

زاں سبب خاص بو اصحاب یقیں — هند نتواں گفت که خلد است بریں

داں نه نسیمی ست ز باغ ارمی — بلکه ز اخلاق خلیفه ست دمی

قطب زماں کز کرمش یافت نما — سبزهٔ مینوتر مینائے سماه

شاهِ مبارک که جهاں از رخ او — گشت بهشتی چو رخ فرخ او

او ابدی باد بفضل احدی — عالم ازو گشته بهشت ابدی

ترجیح ملکِ هند بعقل از هوائے خویش
بر روم و بر عراق و خراسان و قندهار

هند چوں فردوس شد از حجت من — بهر هوائش کنوں آیم به سخن

ده شمرم حجت قاطع که درو — به ز خراسانست هوا در همه سو

اولش آں شد که درو آدمیاں — از دمه سرد نه بینند زیاں

شیر صفت مرد بیک توی قبا — گرم چو شیر است گرش نیست عبا

نی چو خراسان که تن از برف فزون	سرد پیاز نیست، بده شقه درون
دویم ست آن که اهل خراسان اگر	هر که بر آن پوست ز سرما شده کر
نه شنود این گفت و براین از خبان	طعنه اگر ماش زند شعله زنان
پاسخ او مانه که پیغام بر ما	گفت بد انسانکه بود در خور ما
آنکه بگرماست همان زخش و بس	لیک شود کشته ز سرما همه کس
سیومش آن کین طرف از بیم هوا	کم طلبد مفلس کم مایه نوا
کس نه بدل پری سیمی گزرد	گاه دیش هم به گلیمی گزرد
[illegible]دوی دهقان به کهن چادر کی	شب بچراگاه برد با خر کی
بر لب جو ز آب خنک بهمنان	غسل کنند آخر شب غوطه زنان
خود که گرما نبود شان غم خنر	سایهٔ شاخی بس و از کلبه دو گز.
چارمشان کین طرف از سبزه و گل	هست همه سال بهار و گل و مل
نے چو خراسان که دو سه هفته گلش	آمد و بگذشت چو سیلی ز پلش
پنجمش این کان گل شان روی بروی	رنگ خوش و چون گل ما بونه دروی
هست ششمش این کاندک اگر پوست دهن	خشک شود بو نه زند زد بجران
وین گل ما بعض اگر خشک شود	طبله درون نافهٔ از مشک شود
هفتمش آن کان طرف از میوهٔ تر	هست چو امرود و چو انگور دگر

می کنم پانچ این هر دو کری — نغزک و موزی و نباتی بری
میوه دگر کم نگری کز محلش — لاچی و کافور و قرنفل بدش
هشتمش آن شد که بسی میوهٔ آن — هست بهندو سوی شان نمی نشان
هست نهم آنکه درین کشور خوش — هست دو تحفه که بود نادره وش
میوهٔ بے خسته که نبود بجهان — برگ که چون میوه بود خورد مهان
موز همان میوهٔ بے خسته نگر — برگ ز تنبول نگر نایب خور
هست دهم آنکه چو تنبول گزین — میوه نباشد به همه روی زمین
کاهل شکم ذوق نگیرند ازاں — جز همه مهتر وش و مهتر پسران

خاصه آن نیست برای همه کس
جز زپئے قطب فلک پایه و بس

(نُه سپهر)

ساقی نامہ

بیا تا بہ شادی و فرخندگی
بر آریم باہم دمے زندگی
بہم صحبتاں دوستگانی دہیم
نشینیم و دادِ جوانی دہیم
اگر باز کاویم بنیاد را
بنا بر غم ست آدمی زاد را
چو غم را کرانہ پدیدار نیست
بہ از شاد بودن دگر کار نیست
کسانے کہ رخت از جہاں بردہ اند
ہمہ در غمِ زیستن مردہ اند

غزلیات

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل بہ چنیں روز ز دلدار جدا
ابر باراں و من و یار ستادہ بوداع
من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا
سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بستان سرسبز
بلبل روئے سیاہ ماندہ ز گلزار جدا
اے مرا در تہ ہر موئے ز زلفت بندے
چہ کنی بند ز بندم ہمہ یک بار جدا
دیدہ از بہر تو خوں بار شد اے مردم چشم
مردمی کن مشو از دیدۂ خوں بار جدا
نعمت دیدہ نہ خواہم کہ بماند پس ازیں
ماند چوں دیدہ ازاں نعمت دیدار جدا

بدہ صد رخنہ شد از بہر تو خاکے زرہت
زود برگیر و بکن رخنۂ دیوار جدا
میدہم جاں مرو از من، وگرت باور نیست
پیش از آں خواہی تو بستاں و نگہدار جدا
حسن تو دیر نپاید چو ز خسرو رفتی
گل بسے دیر نماند چو شد از خار جدا

○

جاناں بہ پرسش یاد کن روزے من گم بودہ را
آخر بہ رحمت باز کن آں چشم خواب آلودہ را
ناخواندہ سوئیت آمدم ناگفتہ رفتی از برم
یعنی سیاست ایں بود فرمان نافرمودہ را
کشتی مرا دانستم غم جز غم نادیدنت
گر می توانی باز بخش ایں جان نابخشودہ را
سودائے خسرو بر شبے پایان ندارد ہیچ گہ
آخر گرہ بر زن یکے آں جعد ناپیمودہ را

○

یک موئے ترا ہزار دام است
یک روئے ترا ہزار نام است
زان سرو بہ بوستاں بلند است
کز قدّ تو قایم المقام است
دانا لب تو اگر بہ بوسد
فتوا ندہد کہ مے حرام است
خسرو بتو ہم عنان نخواہد
زین توسن چرخ بد لگام است

○

آفت دیں مسلمانی جز آں عیار نیست
تشنۂ خونِ مسلمانان جز آں خونخوار نیست
ما و عشقِ یار اگر در قبلہ و در بت کدہ
عاشقان دوست را با کفر و ایماں کار نیست
یک قدم بر جان خود نہ یک قدم بر دو جہاں
زین نکوتر رہروانِ عشق را رفتار نیست

بر تنِ شیریں نظرہم ہست بار از نازکی
بر دلِ فرہاد کوہ بیستوں ہم بار نیست
چند گویندم کہ زوز نّار بندِ اے بت پرست
از تنِ خسرو وکدامین رگ کہ آں زنّار نیست

○

یارب اندر دل چاکِ آں گل خنداں چونست
ماہ تابانِ من اندر شب ہجراں چونست
من چو یعقوب ز گریہ شدہ ام دیدہ سفید
آخر آں یوسف گم گشتہ بہ زنداں چونست

○

شکریں لعلِ تو کانِ نمک است گرچہ شکر نہ مکانِ نمک است
خود نمک از لب تو چاشنی است ویں سخن ہم ز زبانِ نمک است
چشم من بین ز خیالِ لب تو کہ شب و روز میانِ نمک است
نمی بیند بس ازیں گریۂ من آخر آں آب زیانِ نمک است
بارے اندیشۂ خسرو می کن
کہ بحق جملہ جہانِ نمک است

○

شگوفہ غالیہ برگشت و باغ گل رنگ است
ہوائے بادۂ صافی و نغمۂ چنگ است
بیاد بندِ قبا باز کن دمے بہ نشین
کہ عشق بر دل من چوں قبائے تو تنگ است
اگر ز غمزہ بمد آموز می کند مشنو
از آنکہ در سر او صد ہزار نیرنگ است
ز دستِ خسروِ مسکین پیالۂ بستان
کہ او غلام شہنشاہِ ہفت اورنگ است

○

بیا بیا کہ مرا طاقتِ جدائی نیست
رہا مکن کہ دلم را از غم رہائی نیست
بریز جرعہ کہ ہنگامۂ غمت گرم است
بگیر بادہ کہ ہنگام پارسائی نیست
بر آبِ دیدہ روانی تو ہمی خواہم
اگرچہ آب مرا بر درت روائی نیست
بہ بندہ خسروِ بوسے بدہ مکن حکمت
کہ بندہ نیز حکیم است اگر ستائی نیست

رُخِ تو نورِ دیدۂ قمر است
لب تو سُرخ روئی شکر است
با نوائے بکیسر آمدہ بہ دلم
گر کند ہر یکے گدا و سر است
کارِ دیگر مکن مکن شوخی!
زاں کہ اے شوخ کارِ تو دگر است
گر زپائے خودم دہی خاکے
خاکِ پائے تو سُرمۂ بصر است
زار زار از غم تو می میرم
چوں نہ زور است بندہ را نہ زر است
نظرے کن کہ آں دو چشم سیاہ
دیدہ در انتظار یک نظر است
بندہ خسروؔ در آرزوئے لبت
نمکِ تو کہ نیش دو جگر است

○

دل ز تن بودے و در جانی ہنوز
درد ہا دادی و در مانی ہنوز!

آشکارا سینہ ام بہ شگافتی
ہم چناں در سینہ پنہانی ہنوز
مُلکِ دل کردی خراب از تیغِ کیں
واندرین ویرانہ سلطانی ہنوز
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
خونِ کس یارب نہ گیرد دامنت
گرچہ در خون نے پشیمانی ہنوز
جوَر کردی سالہا چوں کافراں
بہرِ رحمت نا مسلمانی ہنوز
ما ز گریہ چوں نمک بگداختیم
تو بہ خندہ شکرستانی ہنوز
جاں ز بندِ کالبد آزاد گشت
دل بہ گیسوئے تو زندانی ہنوز
پیری و شاہد پرستی ناخوش است
خسروا تا کے پریشانی ہنوز

○

دگر سوزیم در عالم کسی دلسوزِ ما نبود
زبس کز مهربانان رفت سوزِ مهربانیها
مخند ای کامرانِ عیش بر تلخیِ عیشِ من
که من هم داشتم اندازهٔ خود کامرانیها
غم آرد یادِ شادی های رفته در دلِ خسرو
چو یارِ تندرستی و زمانِ شادمانیها

○

جانِ من از آرام شد آرامِ جانِ من کجا
هجرم نشانِ فتنه شد فتنه نشانِ من کجا
آمد بهارِ مشک دم سنبل دمید و لاله هم
سبزه بصحرا اندر قدم سروِ روانِ من کجا
از گریه ماندم پا به گِل وز دوستان گشتم خجل
جان و جهان بگسست دل جانِ جهانِ من کجا
در کارِ غم شد موریم بی پرده شد مستوریم
تلخ ست عیش از دوریم شکرفشانِ من کجا
شخصم ضعیف و دیده تر ذاتِ یسیمان زین گهر
اینک مهیا شد کمر لاغر میانِ من کجا

ہر دم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب
اینک مے و اینک کباب آں میہمانِ من کجا
من جورِ آں نامہرباں دارم ز خاموشی نہاں
او ہم نیارد بر زبان کان بے زبانِ من کجا
جانست آں یارِ نکو رفتہ دلِ خسرو در او
گر دل نہ رفتہ ست ایں بگو ایں گو کہ جانِ من کجا

○

بشگفتہ گل در بوستاں آں غنچۂ خنداں کجا
شد وقتِ عیش دوستاں آں لالہ و ریحاں کجا
ہر بار کو در خندہ شد چوں من ہزارش بندہ شد
صد مردہ زاں لب زندہ شد دردم مرا درماں کجا
گویند ترکِ غم بگو تدبیر سامانی بجو!
درماندہ را تدبیر کو دیوانہ را ساماں کجا
از بخت روزی با طرب خضر آب خورد و تشنہ لب
جویاں سکندر در طلب تا چشمۂ حیواں کجا
می گفت با من ہر زبان گو جان دہی یابی اماں
من می برم فرمان بجان آں یارِ بے فرماں کجا

گفتم توئی اندر تنم با هست جانِ دو شنم
گفتی که آری آن منم گو آن توئی پس جاں کجا

گفتی صبوری پیش کن مسکینی از حد بیش کن
زینم از آنِ خویش کن من کردم این و آں کجا

پیدا گھرت بعد از ہی در کوی ما باشد رہی
از نوک مژگاں گہ گہی آں پرسشِ پنہاں کجا

زین پیش با تو ہر زماں می بود می از ہمہ ماں
خسرو نہ ہست آخر ہماں آں عہد و آں پیماں کجا

○

نخواہم داد درباں ترا ہر درون زحمت
پسند است آں کہ بوسم گہ گہی دیوارِ بیرون را

دلِ من نامہ در دست دخونِ دیدہ عنوانش
بس از غمازئ عنواں برون برحال مضمون را

تو آں مرغی کہ آزادی و در دامی نیفتادی
سزد گر شکر گوئی روز و شب بختِ ہمایوں را

○

ای باد بر قع برفگن آن روی آتشناک را
وی دیده گر صفرا کنم آبی بزن این خاک را
ریزی تو خون بر آستان شویم من از اشک روان
کالوده دیدن چون توان آن آستانِ پاک را
آن دم که می پوشی قبا مخرام از بهر خدا
پوشیده دار از چشم ما آن قامت چالاک را
تا شمعِ حسن افروختی پروانه وارم سوختی
پرده دری آموختی این دامنِ صد چاک را
هرگز لبی نه دهی بمن صد بوسه گوئی بزن
ایم چو نزدیکِ دهن ره گم شود ادراک را

○

ای ترکِ کمان ابرو من کشته ابرویت
ملک همه هند و چین نه دهم به یکی مویت
وقتی به طفیلم گوی بنواز دمِ آخر
تا چند بهر زخمی حسرت خورم از کویت
گفتی که بدین سودائم ناک چه میگردی
آواره دلی دارم در حلقهٔ گیسویت

مسجد چه روم چندیں آخر چه نماز ست ایں
رویم بسوئ قبله دل جانبِ ابرویت
شبها همه کس خفته جز من که به بیداری
افسانهٔ دل گویم در پیشِ سگِ کویت
گر نامِ گلے گویم گر نامِ گلستانی
زین گونه در اندازم هر جا سخن از رویت
سر در خمِ چوگانت راضی ست بدین خسرو
آں بخت کرا کارد سر در خمِ بازویت

○

ای پیر خاکِ پای تو نورِ سعادت ست
مقراض توبهٔ تو چو لای شهادت ست
هستی تو آں نظام که بونِ خطاب تو
محراب راست کرده برای عبادت ست
تو شمع صبح شعلهٔ شوقی که از تو خواست
زان هر یکے شراره چراغ هدایت ست
علامه ای که معرفتِ انبیاش هست
اورا به پیشِ تو محلِ استفادت ست

○

چوں بگیتی ہرچہ می آید رواں خواہد گذشت
خرم آنکس کو نکو نام از جہاں خواہد گذشت

ہر کہ ہست آخر نہ در زیر زمینش رفتنست
خود گرفتم در بلندی ز آسماں خواہد گذشت

خسروا بستاں متاعی در دکانِ روزگار
کیں بہار عمر ناگہ رایگاں خواہد گذشت

○

ز عارض طرّہ بالا کن کہ کار خلق درہم شد
علم برکش کہ بر خوبانت سلطانی مسلّم شد

نگندی برقع از روی وز یعقوباں بشد دیدہ
گذشتی بر سر بازار و حسن یوسفاں گم شد

دلم می خواستی پارہ عفاک اللہ چناں دیدی
مرا می خواستی رسوا بحمد اللہ کہ آں ہم شد

کہ داند خاکِ من دور از سر کویت کجا افتد
خوش آں سرہا کہ در راہ تو خاکِ نعلی ادہم شد

ترا دادم دل و تن خال را و جان چشمت را
من و عشقت کنوں گر سوی خویشم سینہ بی غم شد

گریبان گیری ای زاهد چه فرمائی رقیبان را
کز او در عهد حسنش دامن صحبت فراهم شد

برون افتاد چون نامحرمان از پردهٔ دل جان
از آنگه کاندرین پرده خیالِ دوست محرم شد

عنانش گیر و مگذار ای رقیب از خانه بیرونش
که از دم های سردِ عاشقان رتاب درهم شد

زبان گر تیشهٔ فرهاد گردد پند گویان را
چه غم چون در دلِ خسرو بنای دوست محکم شد

○

به کوی عاشقی از عافیت نشان نه دهند
هر آن کسی که باو این دهند آن نه دهند

چو عشق جان بدست شکر گوی کاین دولت
عطیه ایست که کس را به رایگان نه دهند

ز دست می نتوان داد خوبرویان را
اگرچه دارد دلِ یار مهربان نه دهند

گوت بُتی و شرابی ست وقت را خوش دان
که در جهان بکسی عمر جاودان نه دهند

بگفتمش که بکش تا بمیرم و برهم
جواب داد که راحت به عاشقان ندهند

○

ای بادِ صبح دم خبرِ آشنا بیار
بوی نهفته زان صنمِ دل ربا بیار
مانا که یابم از دلِ گم گشته آگهی
یک تارِ مو ازاں سرِ زلفِ دوتا بیار
تعویذ عمر بایدم اندر شبِ فراق
یک نامه زان مسافرِ فرخ لقا بیار
گفتی سلام آرم از و چشم بر رهست
با خود میای تا نه شوم کشته پا بیار
تاکی ز پندِ بیهده گوشم گراں بود
آخر از وی هم سخن ای صبا بیار
زان بوستاں که میوه به اغیار میدهد
برگی بسوی فاخته بی نوا بیار
در غیرتم کز دست خدنگی بهر دلے
یکره ازاں یکی ز پیِ جانِ ما بیار

جانِ مرا خرید خیالش به بندگی
این بنده زانِ اوست از آنست رضا بیار

زان جامِ لب که جرعه ز شاهان دریغ داشت
پروانهٔ خرابیِ مستی گدا بیار

از جرعه گاه او قدری آبرو بخواه
بر دردهای کهنهٔ خسرو دوا بیار

O

چو صوفی از مے صافی نمی کنند پرہیز
مباش منکرِ دُردی کشانِ شاہد باز

بسانِ مطرب مفلس نوای سوختگاں
چو بلبلِ سحری می کنند سماع آغاز

خیالِ زلفِ دراز تو گو نگیرد دست
که بر سر آرد ازیں ظلمتم شبانِ دراز

خرد مجوی ز خسرو که اہلِ معنے را
نظر به عشقِ حقیقت بود نه عقلِ مجاز

O

همی خواهم ترا بینم نظر سوے کہ من دارم
بخوباں دیدم خوش شد عجب خوبی کہ من دارم

ترا زو کردی از من تیر و گوئی " برکشم آں را "
چہ خواہی برکشیدم زین ترازوئی کہ من دارم

اشارت کن ز ابرو تا کشم سر زیر پای تو
کز ان چوگان توان بردن چنیں گوی کہ من دارم

صبا دی آمد از کویت دماغم خوش شد از بویت
دماغی خوش تواں کردن ازیں بوئے کہ من دارم

دو چشم جوی شد گو تر نداری آرزوے من
تماشا ہم نمی آئی دریں جوئی کہ من دارم

○

گہہ جان دروں و گہہ بروں کارم مگر یکتا شود
نازی کہ اوّل کردہ ای یک بار دیگر ناز کن

باز آمد ایں صبا آورد بوئے از چمن
ای مرغ جان بہ شکن قفس ہم سوے او پرواز کن

○

از دوریٔ خود جاناں حالِ دلِ من بشنو
اندوہ فراقِ گل از مرغِ چمن بشنو

از بار ہدایت دل صد جاں بدریداں خود
بشگفتن گلِ دیگر ای غنچہ دہن بشنو

بشکست میِ لعلت چوں توبہ خسرو را
اکنوں صفتِ مستی زاں توبہ شکن بشنو

○

ای زندگانی بخش من لعلِ شکر گفتارِ تو
در آرزوی مردنم از حسرتِ دیدارِ تو

گو شہد بینم در زبان یا آبِ حیواں در دہان
تحقیق میدانم کہ آں نہ بود بجز گفتارِ تو

معذوری از زلف سیہ پوشی بروی ہمچو مہ
سیری نہ دارد ہیچ گہ چوں دیدہ از دیدارِ تو

گو خود تُرا ازیں چشمِ تر دشوار می آید نظر
بیروں کشم دیدہ ز سر آسان کنم دشوارِ تو

زیں پس بہ خوبان ننگرم در کوی ایشان نگذرم
گر ہیچ یک رہ جہاں برم از غمزۂ خونخوارِ تو

خواهی نمک زن ریش را خواهی بخش درویش را

هر خون که باشد خویش را بربسته ام در بارِ تو

در کوی تو بر هر دری افسانه می بینم سری

این نیست کار دیگری جز کار تو جز کارِ تو

چون غم به گفتار آورم با دیده در کار آورم

چون رو به دیدار آورم یاری بود دیدارِ تو

خواهی که بهرِ خنده ای پیش افگنی افگنده ای

اینک چه خسرو بنده ای او بنده ای دیدارِ تو

○

نفسی که با نگاری گذرد به شادمانی

مفروش لذتش را چه حیاتِ جاودانی

ز طرب مباش خالی می دُرد خواه و ساقی

که غنیمت است دولت دو سه روز زندگانی

غم نیستی و هستی نه خورد کسی که داند!

که گذشت عمرِ باقی بنود جهان فانی

مکن ای امام مسجد منِ رند را ملامت

چون به شهرِ می پرستان نرسیده ای چه دانی

تو و زہد خرقہ پوشاں من و رند دُرد نوشاں
بہ تو حالِ ما نماند تو بہ حالِ ما نمانی

○

ای چہرۂ زیبای تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیباتری
ہرگز نیامد در نظر نقشی زرویت خوب تر
شمسی ندانم ای قمر حوری ندانم یا پری
آفاق را گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزی دیگری
ای راحتِ آرامِ جاں باقدِّ چوں سروِ رواں
زین ساں مرو دامن کشاں کارامِ جانم میبری
عزمِ تماشا کردہ ای آہنگِ صحرا کردہ ای
جان و دل ما بردہ ای این ست رسمِ دلبری
عالم ہمہ یغمای تو خلقی ہمہ شیدای تو
آن نرگسِ رعنای تو آوردہ کیشِ کافری
خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوی غریباں بنگری

○

گر صبر کنیم جان تواں برد   لیکن چه کنیم چوں نه باشد

مارا که بر دیدنت هلاکیم   تا دیدن تو چه حال باشد

هر ماهے اگرچه تو شود ما   با روئے تو در نظر نیاید
جائے که تو هم چو مهه بر آئی   مه به پیش رخت کجا بر آید

بامدادان به چمن ناز کنار، می گشتی
سرو یک پائے ستاده به لب جوئے بماند

عاشقان را به گهه گرفتن و باز آمرزش
دل ز جا می رود و باز به جا می آید

بے روئے تو نوش می شود نیش   وز دست تو نیش می شود نوش

شکر آں ست که اندر لب تست   سخن ایں ست که ما می گوئیم

از من قرار و صبر نہ دانم کجا شد   من خود ز خویش ہیچ نہ دانم کجا شدم

غمت پر ز خون کرد دلہا بسے   وزاں غنچہ ہا گلشنت ساختہ

گل نو رسید و بوئے ز بہار من نیامد   چہ کنم نسیم گل را کہ ز یار من نیامد

دوش پنہاں می کشیدم زلف تو   چشمِ مستِ ناگہاں بیدار شد

او چشم داشت بر من من زلفِ او گرفتم
تا بوکہ زندہ مانم زاں غمزہ در پناہش

از نردبانِ زلف تو ہر دم بہ آفتاب
آساں رسد ولیک شبے درمیان کند

توشہ جگر پختہ ام از بہر آنک   جان و دلم ہر دو سفر می کند

زلفت از چاشتگہ بہ پیمایم   تا بہ پایانِ نمازِ شام رسد

گریۂ خسرو چو نگہ کرد گفت
خانہ روم زد کہ باران رسید

بہ زلفش صد دل مظلوم در فریاد می بینم
نہ دانم رشتۂ ظلم ست یا زنجیر داد ست این

شانہ کردن زلف را چندین چہ شود
بستہ چندیں دل بہ ہر خم ہم چناں

دلم بہ برد گرفتم کہ دزد دل بنما
بہ ناز خندہ و دزدیدہ کرد و خال نمود

خوش آں شبے کہ سرم زیر پائے یار بماند
دو دیدہ در رہ آں سرو گل عذار بماند

تو خوش خفتہ بہ خواب ناز تا صبح
مرا بیدار باید بود تا روز

نیست چوں بخت وصالم بہر صبر از خونِ دل
ہر دمے یک جا نویسم نام تو با نام خویش

شبِ ہجراں درازست ارچہ خسروؔ　　مشو غمگین کہ امیدِ سحر است

مثال از جور محنتہا خموش و دم فرزن خسروؔ
کہ اے بے صبر در عالم مصیبت بیش می آید

غم مخور اے دل کہ یار از بام شادی ہم رسد
ہر کجا دردے ست آں را عاقبت مرہم رسد

بہ کدام سرو بینم کہ ز تو صبور باشم　　کہ دراز ماند در دل ہوسِ قدِ بلندت

قصۂ زلفش نہ می گویم بہ کس　　زان کہ خاطرہا پریشاں می شود

پیش تو خواہیم کہ آہے کنیم　　آہ کہ آں ہم نہ توانیم کرد

ہیچ کس نیست کہ او را بہ جہاں دردے نیست
وانکہ درویش نباشد بہ جہاں ہیچ کس است

خیالش بے دریغم می کشد گویا نمی داند
کہ چوں جاں رفت از تن باز سوئے تن نمی آید

یار مہمانِ تست اے دیدہ		مردماں را بگو برون باشند

دلم برون شد از غمت غمت ز دل برون نہ شد
زبوں شدم کہ بود کو ز دست غم زبون نہ شد

خطا باشد کہ زلفت مشک خوانم		کہ در ہر چین دو صد تاتار دارد

چہ خفتی خیز اے مرغ سحر خیز		ترا روزی ہمی باید مرا روز

ہستی من رفت و خیالش نہ ماند		ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

بس کہ پروانہ شود سوختۂ شمع و عشق
"عارف" از سوختگی عاشقِ پروانہ شود

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد
شکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد

تو حالِ من خود ازیں روئے زردبیں وپرس
کہ من بروئے تو پیدا نمی توانم کرد

مگر تو خود بکرم باز بخشیم دلِ ریش
کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

بدوی و گریہ می آید مرا
صبر کن چنداں کہ باراں بگذرد

غمم بروں می افگند از درونِ پردہ را
آرے شکایت ہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

زلفت ز ہر دو جانب خوں ریزِ عاشقاں ست
چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست

گل نو رسید و بوئے زبہارِ من نیامد
چہ کنم نسیم گل را چو زیارِ من نیامد
دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا
کہ صبا رسید و بوئے زبہارِ من نیامد

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نو بہار آید و پرسد ز دوستاں
گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمیں گو چہ گونہ اند
آں رو یہا کہ در تہ گردِ فنا شدند
آں سرورا دراں کہ تاج سرِ خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ بر خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک
آں ذرہ ہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ است طفل فریبِ متاعِ دہر
بے عقل مرد ماں کہ بریں مبتلا شدند

ساقیا مے دہ کہ امروزم سر دیوانگیست
دور بر گرداں کہ موگم از تہی پیمانگیست
من بر غبت جاں دہم تو زحمت آری برتنم
ایں عنایت درمیانِ دوستاں بیگانگیست
شمع شیرینی چشیدست از بہ سوز و باک نیست
لذّت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

شمع فلک بر آمد یا آتشیں زمانہ
ساقی رنا مسلماں در دہ مے مغانہ
کشتیٔ ما رواں کن ما نا کنارہ یابیم
دریائے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ
رو تا رویم بیروں دستے بگردنِ تو
تو بیخودِ صبوحی من بیخود شبانہ
اے من غلام تشکلت چوں در خمار باشی
نے روئے خواب شستہ نے موئے کردہ شانہ
مطرب برود خود برد ستے چو ابر باراں
دیں زہد خشک ما را تر کن بہ یک ترانہ

خسروؔ کہ ہست مطرب واں مستِ ناز سرخوش
ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائے کیستی
لا بہ گرد دلبرا عشوہ نمائے کیستی
زیرِ کلاہِ جعدِ تر تا کمرت کشیدہ سر
بستہ بہ چابکی کمر چیست قبائے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغ کیں
ساختہ آمدہ چنیں تا ز برائے کیستی
سینۂ بند جائے تو دیدہ بزیر پائے تو
با ہمہ در ہوائے تو تو بہ ہوائے کیستی
خسروِ خستۂ سخن بستہ شد از تو در دہن
طوطیٔ شکریں من نغمہ سرائے کیستی

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

مست آمدهٔ باز بہ مہمانِ کہ بودی
دانم شکری در شکرستانِ کہ بودی

اے یارِ جدا ماندہ دلِ تنگِ کہ جستی
اے یوسفِ گم گشتہ بہ زندانِ کہ بودی

دیوانہ من بر سرِ کوئے کہ گزشتی
تشویش دہِ حالِ پریشانِ کہ بودی

می درشش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی
در ظلمتِ شب چشمۂ حیوانِ کہ بودی

جلوت کہ کشید ست و لعبت را کہ گزید ست
پیشِ کہ نشستی شب و مہمانِ کہ بودی

آراستہ و مست در آغوشِ کہ خفتی
ایں بخت کرا بود بفرمانِ کہ بودی



AMIR KHUSRAU

ARSH MALSIANI